شمس المورخین

حکیم سید شمس اللہ قادری

انیہ یونیورسٹی کے زیر نگرانی ام۔اے کا تحقیقی مقالہ

از

میر احمد علی، ایم، اے

اجراء بدست

فضیلت مآب جناب فخرالدین علی احمد صاحب

وزیر صنعتی ترقیات حکومت ہند

۶ جنوری ۱۹۷۰ع

زیر صدارت

عزت مآب شری پی ۔ وی ۔ نرسمہاراؤ

وزیر تعلیم حکومت آندھرا پردیش

شمس المورخین

حکیم سید شمس اللہ قادری

عثمانیہ یونیورسٹی کے زیر نگرانی ام۔اے کا تحقیقی مقالہ

از

میر احمد علی ، ایم ، اے

پیش لفظ

فضیلت مآب جناب فخرالدین علی احمد صاحب
وزیر صنعتی ترقیات حکومت ھند

انتساب

جنابِ مستطاب فضیلت مآب مولوی محمد ہدایت اللہ صاحب

کارگزار صدر جمہوریہ ہند

کے نام نہایت ادب و احترام کے ساتھ

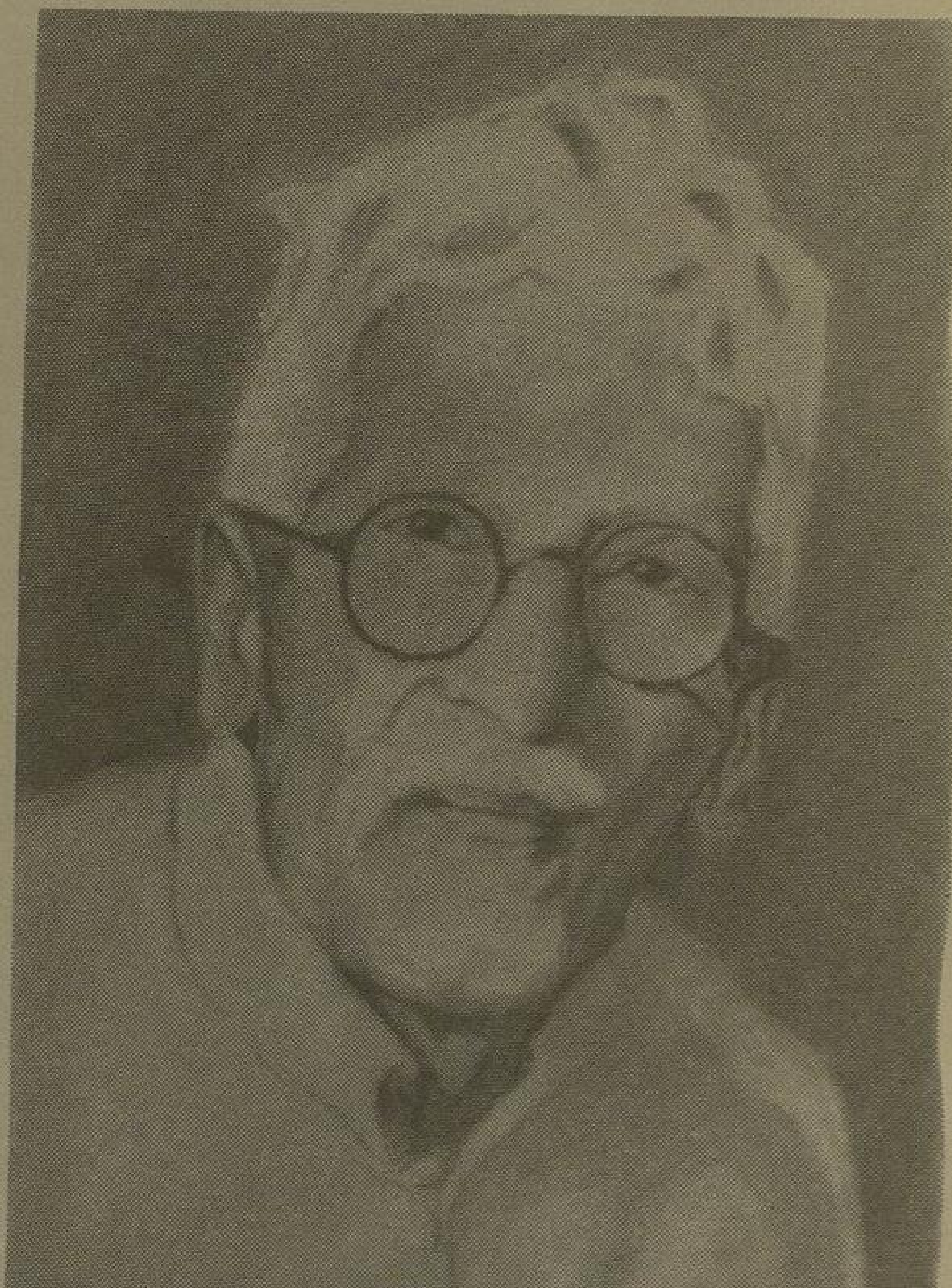
جو

"شمس المورخین" علامہ حکیم سید شمس اللہ قادری مرحوم

کے تبحرِ علمی اور وقیع تحقیقی خدمات کے معترف

اور

اُن کے علمی خانوادے کی سرپرستی فرماتے ہیں



Late Shamsul Muarrakeen
Allama Hakeem Sayyid Shamsullah Qadri
Born : 17th Safar, 1303 Hijri (1880 A. D.)
Died : 22nd October, 1953

پیش لفظ

از

عزّت مآب جناب فخر الدین علی احمد صاحب

وزیر صنعت حکومت ہند

پیش لفظ

عثمانیہ یونیورسٹی نے اپنے ایک طالب علم شری میر احمد علی سے ۱۹۶۶ؑ میں جنوبی ہند کے نامور محقق علامہ حکیم سید شمس اللہ قادری مرحوم کی زندگی اور ان کے تصنیفات پر ایم۔ اے۔ کے لئے مقالہ لکھوایا۔ جسے یونیورسٹی کے اساتذہ نے بے حد پسند کیا اور مقالہ نگار کو امتیاز کے ساتھ ۱۹۶۷ؑ میں ایم۔ اے۔ کی ڈگری عطا کی۔

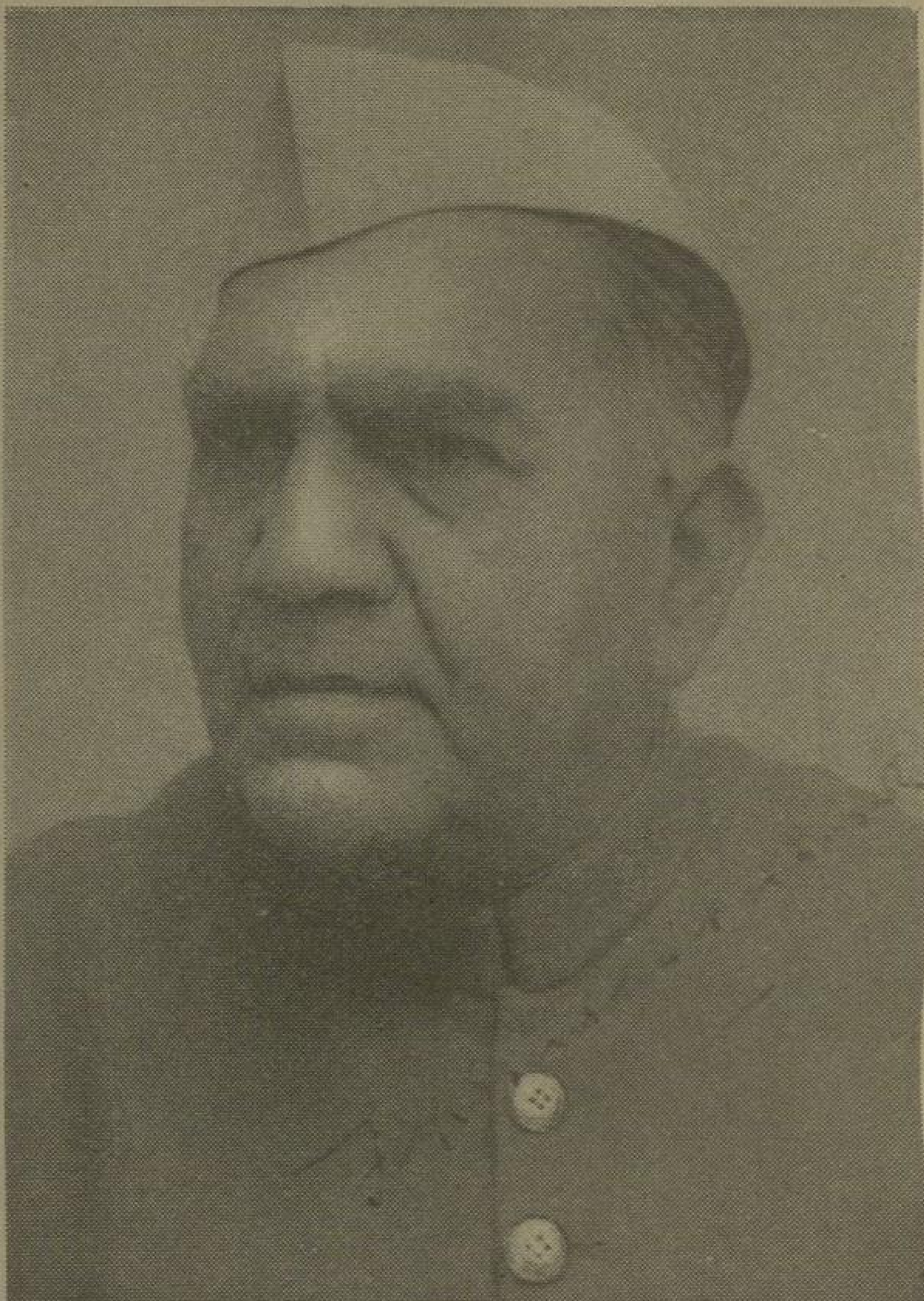
شری میر احمد علی آج کل کیرالا میں اُردو کے لکچرار ہیں۔
میر احمد علی کے اس مقالہ کو لطف الدولہ اورنٹیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے اہتمام کے ساتھ چھپوایا ہے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ جنوبی ہند میں نہایت سرگرمی کے ساتھ تحقیقاتی کاموں میں منہمک ہے۔ اس ادارے کے صدر پدم شری سید احمد اللہ قادری نے خواہش کی ہے کہ میں شری

میر احمد علی کے مقالہ پر پیش لفظ لکھوں۔ کسی کتاب پر کچھ لکھنا آسان کام نہیں۔ تاہم قادری صاحب کے اصرار پر چند سطور نہایت عجلت میں تحریر کر رہا ہوں۔

حکیم سید شمس اللہ قادری ہندوستان کے صفِ اوّل کے محققین میں شمار کئے جاتے تھے اُنہیں ۱۹۰۹ء میں علماء نے "شمس المورخین" کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ دکن میں انہوں نے شمع علم فروزاں کی۔ وہ شاید ہندوستان میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اردو یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ تیار کیا۔ ان کا یہی منصوبہ ۱۹۱۸ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کی تخلیق کا سبب بنا۔ حیدرآباد میں محکمۂ آثار قدیمہ کا وجود بھی بہت حد تک حکیم صاحب کی انتھک مساعی کا مرہونِ کرم ہے۔

حکیم صاحب پہلے محقق تھے جنہوں نے ۱۹۱۰ء میں اُردو زبان کی مبسوط و مفصل تاریخ لکھی۔ اِن کی یہ کتاب جو "اُردوئے قدیم" کے نام سے ہے مسلسل بیالیس ۴۲ سال سے ہندوستان اور پاکستان کے جامعات میں ایم۔ لے۔ (اردو ادب) کے نصاب میں شریک ہے۔

اب سے کوئی ۴۳ سال پہلے اردو کے مشہور محقق رام بابو صاحب سکسینہ



Hon'ble Shri Fakhruddin Ali Ahmed
Union Minister
Wrote a learned Foreword on
The Life of Hakeem Sayyid Shamsullah Qadri
& released the book on 6.1.1970

نے جو اُس زمانہ میں یو۔ پی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ انگریزی زبان میں اُردو کی ایک تاریخ "ہسٹری آف اُردو لٹریچر" کے نام سے لکھی۔ سکسینہ صاحب کی اس کتاب کا پیش لفظ اُردو کے محسن ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے تحریر فرمایا تھا۔ رام بابو صاحب نے اپنی کتاب "ہسٹری آف اردو لٹریچر" میں حکیم صاحب کی ادبی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

"محققین زبان اور ریسرچ اسکالروں نے بحرِ تحقیق میں غوطہ زنی کر کے دکن کی قدیم نثر کے بہت سے نمونے دریافت کئے اور تاریخ نثر اُردو کا سنگ بنیاد رکھا۔ ایسے محقق ہمارے نزدیک صرف حکیم سید شمس اللہ قادری اور مولوی عبدالحق ہیں۔ جن کی کوششیں اس بارے میں انتہائی اہم، گراں قدر اور حد درجہ تحسین و آفرین کی مستحق ہیں۔ ان بزرگوں نے جہاں تک قدیم ترین نمونوں کا کھوج لگایا ان سے پتہ چلتا ہے کہ نثر اُردو کی ابتداء آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی تھی۔"

حکیم شمس اللہ قادری نے شاہنامۂ فردوسی کے قدیم دیباچہ سے

دنیا کو روشناس کرایا، فردوسی کے دیباچہ پر اُن کا یہ مقالہ ۱۹۲۷ء میں رسالہ اردو میں شائع ہوا ہے۔ اس میں حکیم صاحب نے اپنی یہ تحقیق علما اور ادبا کے سامنے رکھی کہ فردوسی کے شاہنامہ کے ماخذات کیا تھے۔ حکیم صاحب کا ایک اور کارنامہ زین الدین معبری کی کتاب "تحفۃ المجاہدین" کی اشاعت اور اس کا اُردو ترجمہ ہے۔ جو ملیبار کے پرتگیزوں سے متعلق ہے۔

عبید بن شریۃ الجرہمی کی مشہور تصنیف کتاب الملوک و اخبار الماضیین کے سن تالیف کی تحقیق بھی ایک کارنامہ ہے، حکیم صاحب نے یہ ثابت کیا کہ کتاب الملوک چالیس اور ساٹھ ہجری کے مابین لکھی گئی جو دنیائے اسلام میں عربی زبان کی پہلی کتاب ہے۔

حکیم صاحب سکہ جات کے بھی ماہر تھے، انھوں نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں تالیف کیں، ہندوستان کے عجائب روزگار سکوں پر ان کا ایک مقالہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے شہنشاہ جہانگیر کی ایک ایسی طلائی اشرفی کا بھی حوالہ دیا ہے جس کا وزن ہزار تولہ تھا۔ جو ایرانی ایلچی یادگار بیگ کو دی گئی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر

نے اپنے جلوس کے چوتھے سال سات سو تولہ کی تین اشرفیاں ایرانی سفیر بوداق سلطان تفنگچی کے حوالہ کی تھیں۔ شاہ جہاں بادشاہ نے بھی دو دو سو تولہ کی طلائی اشرفیاں بنوائی تھیں اور شہنشاہ جہانگیر نے بھی سو تولہ کی اشرفیاں مضروب کرائی تھیں۔ حکیم صاحب کی یہ تحقیقات قابل قدر ہیں جس سے عہد رفتہ کی عظمت اور خوش حالی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حکیم صاحب نے میسور کے بادشاہ ٹیپو سلطان کے بارے میں ایک عجیب و غریب انکشاف کیا کہ ٹیپو نے "حروف" ابجد کے قاعدہ کو متروک کرکے اپنے جلوس کے پانچویں سال "حروف ابتث" کے اعداد ایجاد کئے تھے۔

حکیم صاحب کی ایک اور تحقیق نے بھی محققین کو حیرت میں ڈال دیا یہ کہ نواب ناصر جنگ کے قتل کے مقام کو تاریخی شواہد سے متعین کیا۔ جنوبی ہند کے مشہور پروفیسر راؤ بہادر سری نواس چاری صدر شعبۂ تاریخ اناملی یونیورسٹی نے اپنی تاریخ جنجی میں حکیم صاحب کے اس عالمانہ مضمون کو نقل کیا ہے۔ مسٹر چاری کی یہ کتاب انامل

یونیورسٹی نے ۱۹۴۳ء میں شائع کی۔

مولانا حالی حکیم صاحب کو " امام تاریخ" کہا کرتے تھے، مولانا سید سلیمان ندوی تاریخی مسائل میں ان سے استفادہ فرماتے تھے چنانچہ شری میر احمد علی نے اپنے مقالہ کے صفحہ ۲۲۹-۲۵۴، اور ۲۵۵ پر سید سلیمان ندوی کے وہ تحریرات نقل کئے ہیں جو استفادہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

حکیم صاحب نے اپنی ساری زندگی عزلت، سادگی، تحقیق و تجسس میں بسر کی۔ اس مقالہ کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ حکیم صاحب روزانہ اٹھارہ گھنٹے لکھنے اور پڑھنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔

شری احمد علی نے حکیم صاحب پر مقالہ لکھ کر اہل علم پر بڑا احسان کیا ہے جس کے لئے وہ بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

۱۔ ولنگڈن کریسنٹ
نئی دلی

فخر الدین علی احمد



His Excellency Mr. M. Hidayatullah
Officiating President of India

مشہور محقق شمس المورخین

علامہ حکیم سیّد شمس اللہ قادری

پر

جناب میر احمد علی ایم۔ اے (عثمانیہ)

کا وہ تحقیقی مقالہ

جو عثمانیہ یونیورسٹی کے زیر نگرانی ایم۔اے کیلئے لکھا گیا

۲۰؍ مارچ ۱۹۶۷ء

شائع کردہ

لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد

جون ۱۹۶۹ء

065517

مندرجات

دوسرا باب
شمس اللہ قادری بحیثیت انسان

تیسرا باب
علمی اور سماجی خدمات

چوتھا باب

شمس اللہ قادری کی غیر مطبوعہ تصانیف

پانچواں باب

شمس اللہ قادری کی محققانہ عظمت

چھٹا باب

شمس اللہ قادری کے دیگر ادبی کارنامے

پیش لفظ

حکیم سید شمس اللہ قادری ایک جید عالم، سر آمد روزگار محقق اور اردو زبان کے زبردست نثر نگار تھے۔ حکیم شمس اللہ قادری کے حالاتِ زندگی اور ان کے کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ ان کے تحقیقات اور ادبی کارنامے اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ ان کے تحقیقی کارناموں کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی

اس مقالے کے تعلق سے صرف اس قدر

کہنا کافی ہوگا کہ یہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حکیم صاحب کے حالاتِ زندگی مرقوم ہیں۔ دوسرے میں ان کی شخصیت تیسرے میں علمی اور سماجی خدمات کا تذکرہ ہے۔ چوتھے میں غیر مطبوعہ تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچویں میں ان کی محققانہ عظمت و بصیرت کا ذکر ہے۔ اور آخری باب میں دیگر ادبی کارناموں کی تفصیل ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری کے ابتدائی حالات کے سلسلے میں زیادہ تر وہی باتیں پیش کی گئی ہیں جو انہوں نے اپنے خود نوشتہ سوانح میں لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ساتھیوں اور پرانے دوستوں سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی خاص طور پر حکیم صاحب کے بڑے فرزند لسان الملک پدما شری

عمّو احمد اللہ قادری ایم۔ایل۔سی کا میں نہایت احسان مند ہوں کہ آپ نے اپنے نامور والد کے حالاتِ زندگی اور بعض دوسری تفصیلات کے متعلق مواد فراہم کرنے میں میری مدد اور رہنمائی فرمائی۔ مولوی میر کاظم علی برقؔ موسوی اور جناب تصدق حسین تاجؔ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے حکیم صاحب کے کام اور ان کی شخصیت و سیرت سے متعلق معلومات کی فراہمی میں میری اعانت کی۔ میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب صدر و پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس موضوع پر کام کرنے کی اجازت عطاء فرمائی۔ اور محترمہ ڈاکٹر سیدہ جعفر کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے حکیم صاحب کی سیرت کا موضوع میرے لئے انتخاب کیا

اور ہر مرحلے پر رہبری کی اور کمالِ مہربانی سے میرے مقالے کے مسودے کو ملاحظہ فرما کر اپنے مشفقانہ مشوروں سے مستفید فرمایا۔

میر احمد علی

جامعہ عثمانیہ

بتاریخ ۲۰/ مارچ ۱۹۶۷ء

حالاتِ زندگی

خاندانی حالات

حکیم سیّد شمس اللہ قادری کے آبا و اجداد بغداد کے رہنے والے تھے۔ حکیم صاحب کا سلسلۂ نسب سینتیس ۳۷ واسطوں سے حضرت پیران پیر سیّدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؓ تک پہنچتا ہے [۱]۔ اِن کے اجداد اکبر کے دور میں ترکِ وطن کر کے ہندستان آئے تھے اور دہلی میں سکونت اختیار کی تھی۔ حکیم صاحب کے اجداد آصف جاہ کے ہمراہ اورنگ آباد پہنچے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد یہاں سے حیدرآباد آئے اور حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہ لوگ بڑے دانشور تھے ان کی زندگی رشد و ہدایت میں گذری۔ حکیم صاحب کہا کرتے تھے کہ تیغ کی قوت، قلم کی طاقت سے زیادہ نہیں ہے۔ میرے بزرگوں کا پیشہ

---

[۱] آندھرا نامہ ص (۲۷۲)



1. S. Saadullah Qadri
2. Hakeem S. Shamsullah Qadri
3. S. Ahmadullah Qadri
4. S. Imdadullah Qadri
5. Late Kazim Ali, Servant

Group Photo taken in December, 1927

ایسا ہی رہا ہے۔ انھوں نے کسی کو تکلیف نہیں دی کسی کے حریف یا رقیب نہیں رہے وہ دنیا میں نیکی کا پرچار کرنے کے لئے آئے تھے۔ انھوں نے اصولوں پر عمل کیا۔

جدِّ امجد حکیم صاحب کے جدِّ امجد سید شاہ عبداللطیف قادری شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے میر تسبیح خانہ کی خدمت پر مامور تھے۔ بادشاہ نے لال باغ کی اراضی آپ کو عطاء کی تھی۔ اس باغ میں آپ کا مزار موجود ہے۔ مزار کے اطراف ان کے معتقد و دوست احباب اور آل و اولاد کی قبریں ہیں۔ اور اب یہ حصہ قبرستان بن گیا ہے[1]۔

دادا۔ حکیم صاحب کے دادا سید بقاء اللہ قادری، راجہ چندو لال شاداںؔ کے

---

[1] یہ معلومات ان کے خود نوشت سوانح سے حاصل ہوئے ہیں۔

زمانۂ وزارت میں میر منشی تھے۔ وہ آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے مچھلی کمان[1] کے عقبی محلے میں رہتے تھے۔ وہاں ان کی ایک خانقاہ تھی جہاں فقہ اور حدیث کا درس ہوا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں جنوبی ہند کے طلباء درس لیا کرتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں مدراس، ترچناپلی، میسور اور مالابار کے طلباء تحصیلِ علم کے لئے قیام کرتے تھے۔ مصر اور شام سے چند طلباء سیاحت کی غرض سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اس خانقاہ میں چند ماہ قیام کیا تھا۔ یہ طالبانِ علم بھی ان کے پاس حدیث وغیرہ کا درس لیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر پہلی جمعرات کو ان کی خانقاہ

---

[1] چارمینار سے قریب گلزار حوض کے اطراف چار کمانیں بنی ہوئی ہیں جن کے مختلف نام ہیں۔ انہی میں سے ایک کمان کا نام مچھلی کمان ہے۔

میں پانی کا چراغ روشن کیا جاتا تھا[1]۔ حکیم صاحب کی دادی شیخ الاسلام خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد سے تھیں[2]۔

حکیم صاحب کے والد سید ذوالفقار اللہ

والد: قادری ایک صوفی مشرب درویش صفت بزرگ تھے۔ آپ درس و تدریس میں حصہ نہیں لیا کرتے تھے۔ البتہ اپنے معتقدین کو پند و نصائح فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے سات حج کئے تھے۔ مصر و شام اور جزائر ملایا کا بھی سفر کیا تھا۔ پنجاب اور بمبئی کے علاقوں میں ان کے ہزاروں مرید تھے۔ جن سے ملاقات کے لئے وہ ہر دوسرے سال سفر کیا کرتے تھے۔ آپ ابتداء ہی سے اپنا کام

---

[1] یہ معلومات پدماشری سید احمد اللہ قادری صاحب سے حاصل ہوئے ہیں۔

[2] نامکمل خود نوشت سوانح ص۳

آپ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سو سات (۱۰۷) سال کی عمر میں بھی آپ اپنے کپڑے خود اپنے ہاتھ سے دھوکر زیب تن کیا کرتے تھے. سبز رنگ کا شملہ لانبا کرتا اور لنگی آپ کا خاص لباس تھا۔ سرسید احمد خاں سے آپ کی گہری دوستی تھی[۱]

خزانۂ عامرہ سے آپ کو "یومیہ" مقرر بھتا جہاں سے ہر ماہ ستائیس (۲۷) روپیہ ملا کرتے تھے. آپ کی زندگی کا ایک واقعہ جو درج ذیل ہے. آپ کی پاک سیرت کا ثبوت ہے۔ یہ واقعہ حکیم صاحب نے اپنے فرزندوں سے بیان کیا تھا۔ حکیم صاحب کے والد سید ذوالفقاراللہ قادری کو کیمیاء بنانے اور اولیاء کرام کے آستانوں پر چلہ کشی کا بہت شوق تھا۔[۲]

---

[۱] خود نوشت سوانح ص۱

[۲] "فرزندان حکیم سید شمس اللہ قادری کا اظہار تشکر"
روزنامہ سلطنت شمارہ ص۲۷۸ - ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء

حکیم صاحب ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ دہلی میں چیتلی[۱] قبر کے قریب ترکمان[۲] دروازہ کے پاس سید روشن صاحب شہید کا مزار ہے۔ اس پر حکیم صاحب کے والد نے چلّہ کشی کی تھی۔ جب چلّہ ختم کیا تو اس دن صبح صادق کے وقت ایک بزرگ اس مزار پر آئے اور ذوالفقار اللہ قادری کی طرف دیکھکر

---

[۱] دہلی میں اعظم خاں کی حویلی جانب چپ واقع ہے جہاں اب محلہ بستا ہے وہیں پر جانب چپ یہ قبر واقع ہے۔ یہ روشن صاحب شہید کی قبر ہے اور پانسو برس سے اس مقام پر واقع ہے۔ اب اس مقام پر ایک بازار ہے جس کی دو شاخیں ہوگئی ہیں ایک جانب ترکمان دروازہ ہے (آثار الصنادید باب چہارم در حالِ شہر شاجہان باد کے حال میں تصنیف سر سید احمد خاں صـ ۱۴)

[۲]۔ حضرت شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانی کی جو درگاہ ہے ترکمان دروازہ کے پاس ہے اور اسی سبب یہ دروازہ ترکمان کر کے مشہور ہو گیا ہے۔

(آثار الصنادید صـ ۱۶)

پوچھا یہ لڑکا کچھ پڑھتا بھی ہے۔ ذوالفقار اللہ قادری نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے پوچھا اس لڑکے کے لئے کیا چاہتے ہو علم یا دولت ذوالفقار اللہ قادری نے کہا علم۔ انہوں نے ذوالفقار اللہ قادری کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس کو شمس اللہ پکارو یہ دنیائے علم میں شمس ہوگا۔ اس وقت حکیم صاحب کی عمر دس گیارہ سال کی تھی اور حکیم صاحب کا نام غلام دستگیر قادری تھا۔ اس کے بعد حکیم صاحب کا نام شمس اللہ رکھا گیا۔ حکیم صاحب کہا کرتے تھے کہ اس کے بعد وہ جو بھی کتاب پڑھتے از بر ہوجاتی اور وہ کہا کرتے تھے کہ میں خضرؑ کا شاگرد ہوں

سید ذوالفقار اللہ قادری نے اپنی وفات سے تین دن قبل اپنے مریدوں کو اپنی موت کی خبر دے دی تھی۔ ۸؍جون ۱۹۱۸ء کو

ایک سو سات سال کی عمر میں بمقام مدراس آپ کا انتقال ہوا۔ بائر برج میں آئیس ہوز کے قریب والے قبرستان میں مدفون ہیں۔ حکیم صاحب کی والدہ کا سلسلہ بیجاپور کے مشہور ولی شیخ امین الدین اعلیٰ تک پہنچتا ہے۔[1]

حکیم صاحب کی رفیقۂ حیات

رفیقۂ حیات محبوب بیگم شیر محمد شاہ کی بڑی دختر تھیں۔ شیر محمد شاہ حافظ ہفت قراءت تھے۔ حافظ صاحب کے اجداد افغانستان کے رہنے والے تھے۔[2] امیر عبدالرحمٰن خان کے دادا امیر دوست محمد خان اور شیر محمد شاہ کے جد ایک ہی سلسلہ کے تھے۔ اس طرح امیر عبدالرحمٰن خاں والی کابل سے انکی

---

[1] ناکمل خود نوشت سوانح ص۴

[2] 〃 〃 〃 ص۵

قرابت تھی۔ ۱۸۷۵ء میں شیر محمد شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی احمد رضا شاہ ہندوستان آئے اور حیدرآباد میں بود و باش اختیار کی۔ نظام نے دونوں بھائیوں کو صرفِ خاص سے وظائف مقرر کر دیئے تھے۔

محبوب بیگم کا تعلق قندھار کے شیوخ سے تھا۔ وہ علامہ شاہ مبارک علی کی نواسی تھیں۔ جو بڑے پایہ کے عالم اور صوفی تھے۔ انہوں نے شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی کی "فصوص الحکم" کا اردو میں ترجمہ کیا اور مقدمہ و حواشی لکھے۔ محبوب بیگم فارسی کے شاعر سیتل پرشاد خرم کی شاگرد تھیں۔ حکیم صاحب کی علمی زندگی میں ان کا دست راست تھیں، چنانچہ حکیم صاحب نے اپنی کتاب آثار الکرام میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"مرحومہ کو علم و ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ فردوسی کے حالات میں تالیف شاہنامہ کی نسبت جو ابیات آثار الکرام میں درج ہیں۔ مرحومہ نے شاہنامہ جیسی ضخیم کتاب کو حرف بہ حرف پڑھنے کے بعد منتخب کیا۔"[1]

محبوب بیگم کا ۸؍مئی ۱۹۱۹ء کو تیئس سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

اولاد

حکیم صاحب کو ایک دختر اور چار فرزند تھے جن میں اب صرف ایک بقید حیات ہے۔ دختر کا نام شہنشاہ بیگم تھا جو اپنی ماں کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی۔[2]

---

[1] آثار الکرام ص [illegible]۔

[2] یہ معلومات پدما شری سید احمد اللہ قادری صاحب سے حاصل ہوئے۔

اور ان کے بعد ایک لڑکا ہوا جس کا نام اسد اللہ قادری تھا جس کا ذکر حکیم صاحب نے اپنی کتاب "آثار الکرام" میں اس طرح کیا ہے۔

"ایک سال نہیں گزرا تھا کہ ۱۸ جولائی ۱۹۱۹ء کو ایک شیر خوار لڑکا ماں کے پہلو میں سپرد خاک کرنا پڑا"[۱]

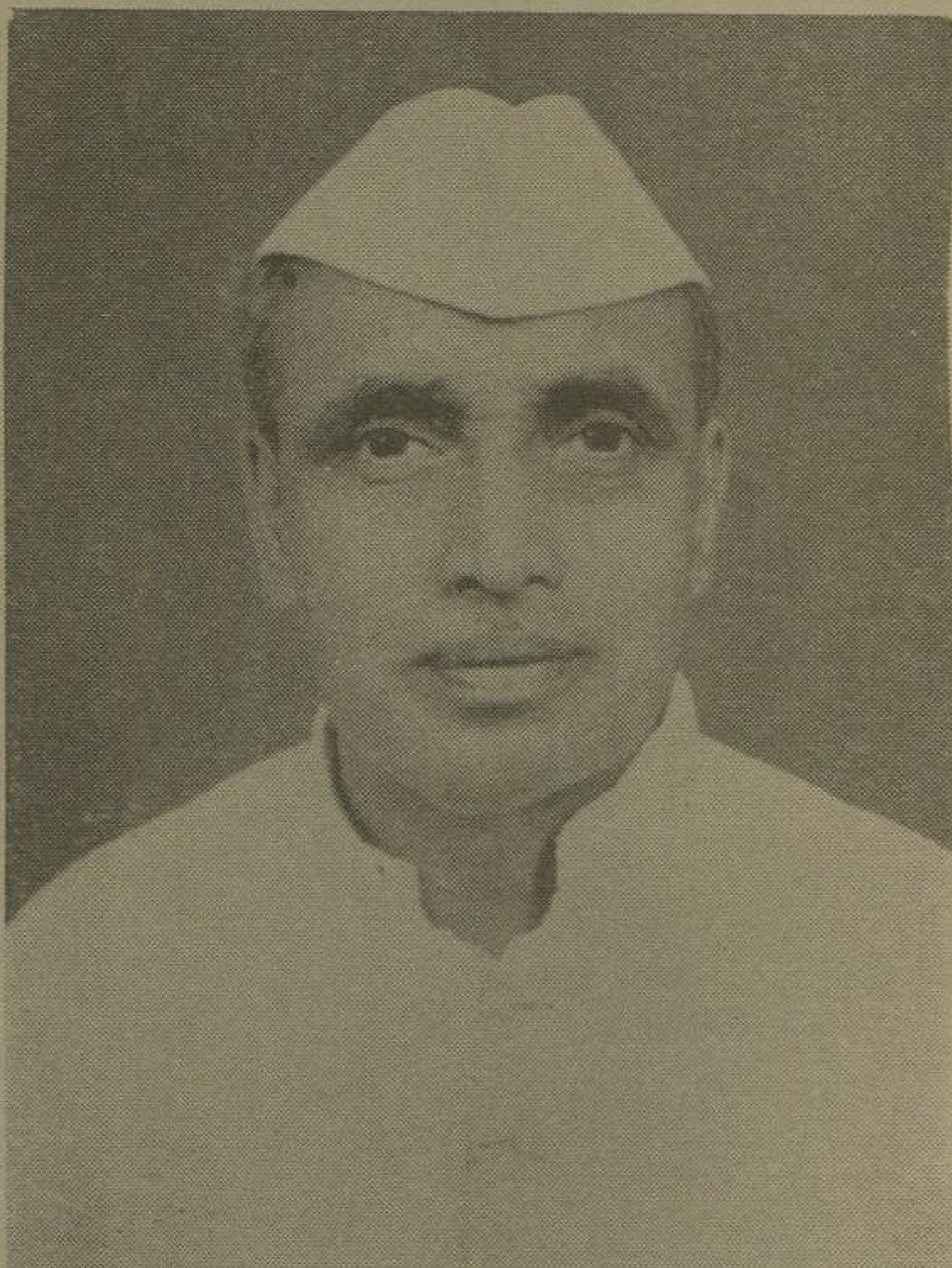
باقی تین فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ سید احمد اللہ قادری، سید امداد اللہ قادری اور سید سعد اللہ قادری۔

سید احمد اللہ قادری سید احمد اللہ قادری ۹ اگست ۱۹۰۹ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے[۲] آپ نے سولہ[۱۶] سال کی

---

[۱] آثار الکرام ص

[۲] آندھرا نامہ ص ۲۷۵



Padmashri S. Ahmadullah Qadri

عمر سے مضمون نگاری شروع کی تھی اپنی ذہانت اور علمیت سے ترقی کرتے ہوئے لسان الملک اور پدما شری کا خطاب پایا۔[له]

۱۹۲۸ء میں آپ "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" (لندن) کے ممبر بنے۔ جو کوئی معمولی اعزاز نہیں ہے۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۰ء تک آپ رسالہ "ریاست" (دہلی) کے کالم نگار رہے۔

احمد اللہ قادری ۱۹۲۵ء میں جرنلزم کے میدان میں داخل ہوئے اور آپ نے ایک روز نامہ "پیسہ اخبار" کے نام سے ۱۹۵۳ء میں نکالا۔ اس سے قبل بھی انہوں نے متعدد روزنامے جاری کئے۔

سید احمد اللہ قادری کے خاص

تصانیف مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔

قدیم ورنگل۔ بیدر۔ گلبرگہ۔ بیجاپور۔ برہان پور

له "اندکشن" از پروفیسر ایس۔ ایم فضل اللہ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی ص ۲

اورنگ آباد۔ محمد قاسم فرشتہ، لکشمی نارائن شفیق
رموز العارفین، محب، میر حسن کے دو معاصرین
سلاطین عماد شاہیہ، ملک عنبر، رفیع الدین شیرازی
چاند بی بی کی شادی وغیرہ۔

آزادیٔ ہندوستان کے بعد کی تصانیف میں
"ہند نامہ" "حیدرآباد نامہ" "آندھرا نامہ" "بہادر نامہ"
"قصۂ سنجان" اور "جواہر نامہ" وغیرہ شامل ہیں۔
اس کے علاوہ آپ نے خواجہ نظام الدین حسین
نظامی بدایونی کی کتاب "قاموس المشاہیر" پر
ایک تنقیدی مقالہ بھی لکھا۔ قوم نے آپ کی
علمی خدمات کے صلہ میں نومبر ۱۹۶۵ء میں لسان الملک
اس کے بعد صدر جمہوریہ نے جنوری ۱۹۶۶ء میں
"پدما شری" کا خطاب دیا۔

آپ نے علمی اور قومی خدمات ساتھ
ساتھ انجام دی ہیں۔ آپ لوکل اور مڈل



Late Sayyid Imdadullah Qadri
Managing Editor, Saltanat & Paisa Akhbar (dailies)
1st March, 1914—15th April, 1966

کانگرس کمیٹی کے صدر، کل ہند کانگرس کے ممبر پردیش کانگرس کی عاملہ کے رکن اور میونسپل کارپوریشن حیدرآباد کی مختلف کمیٹیوں کے صدر رہے۔ آندھرا پردیش لائبریری کمیٹی اور لوکل لائبریری اتھاریٹی کے ممبر، لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے صدر، لیجسلیٹو کونسل آندھرا پردیش کے رکن کی حیثیت سے ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔

سیّد امداد اللہ قادری سید امداد اللہ قادری یکم مارچ ۱۹۱۴ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں ان کی علمی زندگی کا آغاز ہوا۔ سید امداد اللہ قادری مشہور اہل قلم تھے۔ آپ روزنامہ پیسہ اخبار روزنامہ سلطنت اور روزنامہ انصاف کے مینیجنگ ایڈیٹر بھی تھے۔

رسالہ زمانہ اور عالمگیر میں ان کے کئی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ نامور ہستیاں سر تیج بہادر سپرو، سر محمد اقبال، سر شیخ عبدالقادر، پنڈت جواہر لال نہرو، حکیم اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، منشی پریم چند، پنڈت مدن موہن مالویہ، مولانا محمد علی، حسرت موہانی اور منشی دیا نارائن نگم، آپ کے مضامین کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے[1]

آزادیٔ ہندوستان کے بعد ایک روزنامہ "اخوت" کے نام سے نکالا۔ دو سال تک حیدرآباد جرنلسٹ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری رہے۔ اور گورنمنٹ پریس ایڈوائزری بورڈ کے مدت تک رکن رہے۔ ۱۹۵۸ء میں سید احمد اللہ قادری کے "آندھرا نامہ" کے ایڈیٹروں میں شامل تھے۔ آپ نے لطف الدولہ اورینٹل

---

[1] سید امداد اللہ قادری کی قومی اور ادبی خدمات" پروفیسر ایس، ایم فضل اللہ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ص۲

ریسرچ انسٹیٹوٹ کے معتمد کی حیثیت سے
شاندار خدمات انجام دیں۔ آپ کا انتقال ۱۵؍
اپریل ۱۹۶۶ء کو باون ۵۲ سال کی عمر میں ہوا۔

سید سعد اللہ قادری ۱۷؍

سیّد سعد اللہ قادری: ذیحجہ ۱۳۳۴ھ م ۱۵؍ اکتوبر
۱۹۱۶ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ تیئیس ۲۳
سال تک روزنامہ سلطنت کے ایڈیٹر اور اپنی
آخری عمر تک لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ
انسٹیٹوٹ کے معتمد رہے[1]۔ "سید سعد اللہ
قادری میڈلس" کے نام سے ایک کمیٹی بنائی
تھی جس کے صدر نواب سر امین جنگ
صدر المہام اور نائب صدر نواب جیون یار جنگ
چیف جسٹس حیدرآباد ہائی کورٹ تھے۔ سیّد
سعد اللہ میڈلس کمیٹی ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک

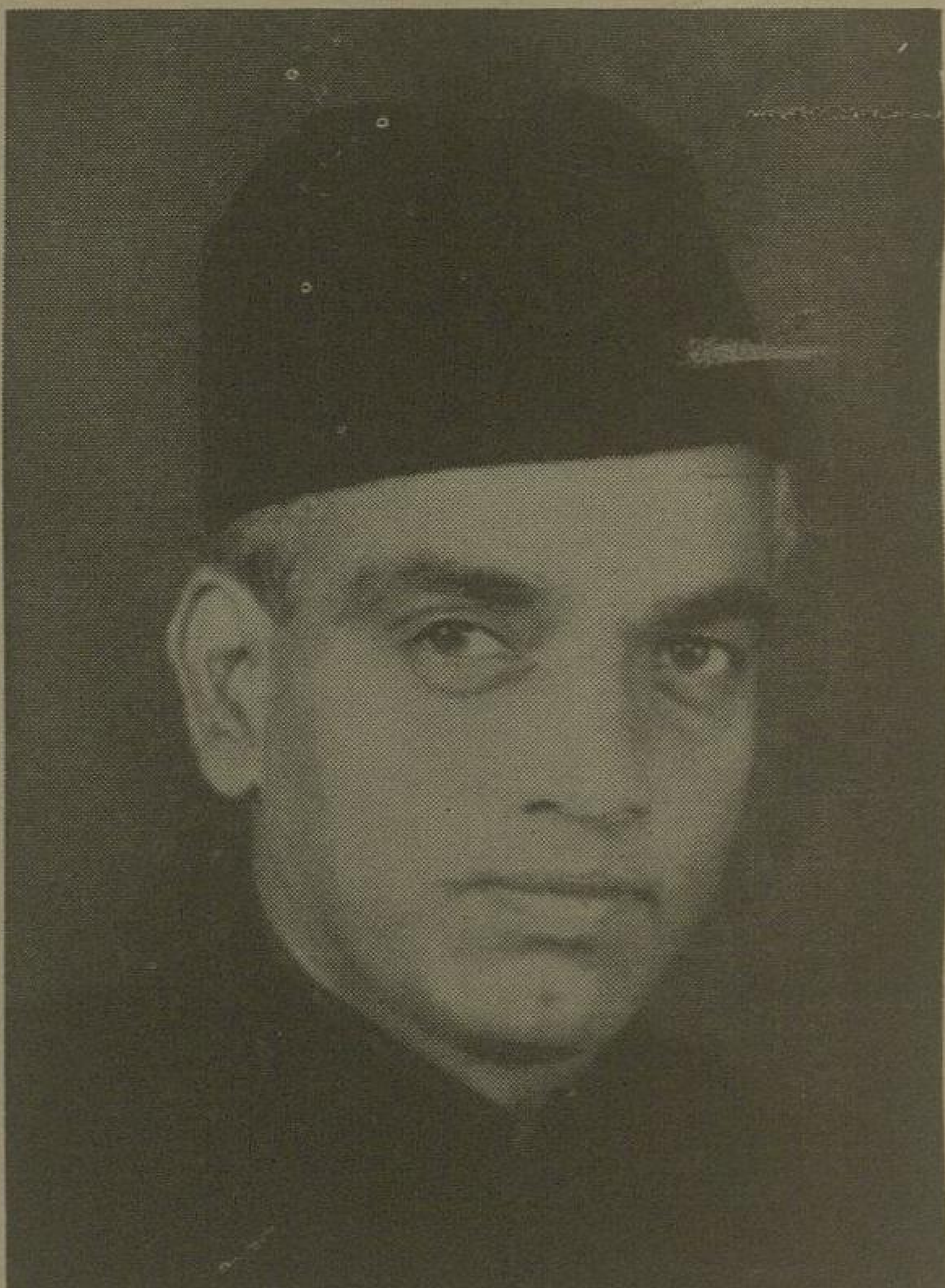
---

[1] "لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹوٹ کی خدمات ص۱۰

کام کرتی رہی اس کمیٹی نے ایک فلمی رسالہ بھی نکالا جس کا نام "فلم" تھا۔ جو برسوں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ "سعد اللہ میڈلس کمیٹی ہر سال فلم میں اچھے کردار ادا کرنے والوں کو گولڈ میڈل دیا کرتی تھی[۱] جارج برنارڈ شاہ اور ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور بھی اس کمیٹی کی خدمات سے بے حد متاثر ہوئے اور اچھی تجویزیں کمیٹی کو بھیجیں۔ سید سعد اللہ قادری کو سیاست کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی تعلق خاطر تھا۔ سعد اللہ صاحب کا تیار کردہ عاشور خانہ حیدرآباد کا ایک مثالی عاشور خانہ ہے۔ اس کی شہرت حیدرآباد سے باہر مدراس اور لکھنؤ تک پہنچ چکی ہے۔ حضرت علیؑ حضرت امام حسینؑ سے سعد اللہ قادری کو بے حد

---

۱ لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی خدمات ص۱۰



Late Sayyid Saadullah Qadri
Editor, Saltanat Daily,
15th October, 1916—30th March, 1960

عقیدت تھی۔ اہلِ بیت کے فدائی تھے۔ "سیرت زہرا" کمیٹی کے آپ بانی اور صدر اول تھے اور سپریم کونسل آف آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے رکنِ عاملہ کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ہزاروں کے اجتماع میں مجالس پڑھتے تھے اور شیعہ کانفرنس کے روحِ رواں تھے۔ آپ کا انتقال ۶۴ سال کی عمر میں ۳۰ مارچ ۱۹۶۰ء کو ہوا۔

آپ کے انتقال پر وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے تعزیتی پیام بھیجا تھا جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"سید سعد اللہ قادری کے انتقال کی
خبر سے مجھے بے حد ملال ہوا۔ میں
ان کی قومی خدمات کو کبھی نہیں

لہ لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی خدمات ص۱۵

بھلا سکتا ہے[1]

رشتہ داروں کے متعلق حکیم صاحب

عزیز و اقارب کا خیال تھا کہ ہر وہ شخص
جو خلوص و محبت سے پیش آئے رشتہ داروں
کا درجہ حاصل کرلیتا ہے[2] حکیم صاحب کے
والد سید ذوالفقار اللہ قادری کو حکیم صاحب
کے علاوہ اور بھی لڑکے پیدا ہوئے لیکن
سوائے حکیم صاحب کے کوئی اولاد زندہ
نہ بچی۔ حکیم سید شمس اللہ قادری اپنے
والد کے آخری سپوت ہیں۔ حکیم سید شمس اللہ
قادری اپنے رشتے داروں اور ہر ملنے والے
سے نیکی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک
خالہ زاد بھائی صرف خاص میں ملازم تھے۔

---

[1] لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹوٹ کی خدمات ص۱

[2] یہ معلومات بذ ماسٹری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئے ہیں۔

حکیم صاحب ان کی ہر ممکنہ امداد کیا کرتے تھے۔ ایک رشتہ کے بھانجے "چار مینار کے قریب گل فروش تھے" حکیم صاحب جب بھی ادھر سے گذرتے خیر خیریت پوچھ لیا کرتے تھے۔ انکے ایک ماموں زاد بھائی غلام احمد بقید حیات ہیں اور محکمہ تعمیرات میں برسر خدمت ہیں۔ حکیم صاحب کے ایک حقیقی ماموں عبداللہ صاحب مسجد چوک کے قریب آلات حرب کا بیوپار کیا کرتے تھے حکیم صاحب کبھی کبھی ان کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ حکیم صاحب اپنے برادر نسبتی عبدالحکیم[1] شاہ سے بہت محبت و خلوص سے پیش آتے تھے حافظ مرزا اکرم علی[2] بیگ ان کے حقیقی چھوٹے

---

[1] عبدالحکیم شاہ صاحب مشہور افسانہ نگار عاتق شاہ کے والد تھے۔

[2] اکرم علی بیگ مرزا محمود علی بیگ ایم۔ اے عثمانیہ مشیر ناظم تعلیمات آندھرا پردیش کے والد بزرگوار تھے

ہم زلف تھے۔ حکیم صاحب کی ان سے بیحد دوستی اور راہ و رسم تھی۔ ایک اور رشتہ کے ہم زلف عمر خاں[1] کے ساتھ بھی حکیم صاحب کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔

حکیم سیّد شمس اللہ قادری

پیدائش: ۵ر نومبر ۱۸۸۵ء کو بمقام حیدرآباد لال باغ میں پیدا ہوئے۔ لال باغ رودِ موسیٰ کے کنارے واقع تھا۔ جہاں اب یوسف بازار اور اسٹیٹ ٹاکیز کے شاندار عمارات ہیں[2]۔ اور اب سالار جنگ میوزیم کی عمارت زیر تعمیر ہے۔

بچپن: حکیم صاحب کا بچپن اپنے والد کے ساتھ سیر و سیاحت میں گذرا،

---

[1] عمر خاں، وحید خاں ناظم آثار قدیمہ کے والد بزرگوار تھے۔

[2] ناکمل خود نوشتہ سوانح سے ا

چنانچہ دس سال کی عمر میں کلکتہ، ہانگ کانگ، رنگون، سنگاپور، جاوا، اور ملایا دیکھ آئے تھے۔[1]
۱۸۹۵ء میں جب کامل سورج گہن ہوا اس وقت حکیم صاحب اپنے والد کے ہمراہ دہلی میں مٹیا محل[2] کے قریب مقیم تھے۔[3] ۱۹۰۰ء میں حکیم صاحب کے والد بزرگوار کابل گئے۔ امیر عبد الرحمٰن والی افغانستان نے انہیں کئی دفعہ باریاب فرمایا۔ حکیم صاحب کو اپنے والد کے ہمراہ والی کابل سے ملاقات کا موقع بھی ملا تھا۔

تعلیم و تربیت: حکیم صاحب نے کوئی باضابطہ تعلیم حاصل نہیں

۱؎ آندھرانامہ ص ۲۷

۲؎ دہلی میں اعظم خان کی حویلی کے قریب ایک محل مٹیا محل کے نام سے مشہور ہے (آثار الصنادید ص ۱۴)

۳؎ آندھرانامہ ص ۲۴

کی بلکہ خانگی طور پر تعلیم پائی ۔ حکیم صاحب کی ابتدائی تعلیم[1] اس میں شک نہیں کہ حیدرآباد میں ہوئی مگر اکتساب کا سلسلہ باہر بھی جاری رہا۔ چنانچہ حکیم صاحب اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں اپنی خود نوشت سوانح، جس کے چند اوراق دستیاب ہوئے ہیں لکھا ہے کہ :-

"میری ابتدائی تعلیم پنجاب میں
ہوئی اور میرے والد کے دوست
احباب کے لطف و کرم نے میری
تحصیل علم کی جانب رہنمائی کی تھی"[2]

حکیم صاحب کئی زبانیں جانتے تھے۔ چنانچہ اپنی اکثر کتابوں میں حکیم صاحب نے آخری صفحات پر ان تمام کتابوں کی فہرست دی

---

[1] آندھرانامہ ص ۲۷۳

[2] خود نوشت سوانح ص ۳

ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ ان کتابوں میں فرانسیسی، جرمنی، انگریزی، اردو، عربی فارسی، اور دوسری زبانوں کی کتابیں شامل ہیں۔

مکتب: حکیم صاحب نے کسی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ ابتداء میں اپنے والد سے اور پھر ان کے دوست احباب سے تعلیم حاصل کی۔

استاد: حکیم صاحب اساتذہ کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ:

"فارسی زبان کے نامور شاعر مولانا غلام قادر گرامی جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کے استاد تھے میں نے ان کی صحبت میں سر اقبال کے ساتھ بہت فائدہ اٹھایا۔ سر سیّد کے انتقال کرنے سے پہلے میرے گئی

بیٹے ان کی صحبت میں گذرے
تھے۔ دہلی میں شمس العلماء مولانا
نذیر حسین محدث دہلوی اور ماسٹر
رامچندر میرے استاد تھے۔ مولانا
عبدالوہاب انصاری سے جو ڈاکٹر
مختار احمد انصاری کے برادر بزرگ
تھے میں نے علم طب تحصیل کیا
ہے۔ اور علمی تحقیقات و تدقیقات
کے طریقے میں نے ڈاکٹر منشی کانت
چٹو پادھیا کے فیض صحبت سے
سیکھے ہیں[1]

حکیم صاحب نے ۱۸۹۸ء میں جب کہ وہ
اپنے والد کے ہمراہ دہلی میں مقیم تھے سرسید
مرحوم سے گلستان کے اسباق پڑھے[2]

---

[1] خود نوشت سوانح ص۳

[2] آندھرا نامہ ص۲۷۲

مولوی غلام محمد اور مولانا محمد شاہ وکیل کے فیضِ صحبت سے مضمون نویسی کا شوق پیدا ہوا۔[1]

شادی: حکیم صاحب کی شادی بیس ۲۰ سال کی عمر میں ۳۰ ستمبر ۱۹۰۵ء کو حافظ شیر محمد شاہ کی دختر محبوب بیگم سے ہوئی۔ حکیم صاحب نے اپنی بیوی کے ساتھ صرف چودہ ۱۴ سال گذارے اور اس کے بعد ان کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہوگیا۔

حکیم صاحب کی بیوی کے انتقال کے بعد ان کے حقیقی ماموں عبداللہ صاحب نے بابیگم نامی ایک بیوہ سے نکاح کروادیا سوتیلے بیٹوں سے ماں کا سلوک کچھ ٹھیک نہ تھا نکاح کے پانچ چھ ماہ بعد ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ان کی منکوحہ نے ان کے

---

[1] خود نوشت سوانح ص۳

منجھلے لڑکے سید امداد اللہ قادری مرحوم کو مارا اور حکیم صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو اسی وقت انہوں نے طلاق دے دیا اور مہر ادا کر دیا اس کے بعد حکیم صاحب نے شادی نہیں کی۔[1]

حکیم صاحب اپنی خانگی صحبتوں

ایامِ شباب: میں اپنے دورِ شباب کا ذکر اس طرح کیا کرتے تھے: "شباب آیا اور چلا گیا مجھے اس کا پتہ نہیں کہ وہ کب آیا اور کب گیا" جب دوسرے لوگ اپنی جوانی کے قصے بیان کرتے تو وہ حیرت سے سنتے اور کہتے کہ "میری قسمت میں نہ سہانے دن تھے اور نہ رنگین راتیں چاند اور سورج نکلتے اور ڈوبتے مگر مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہوتا۔"[2]

---

[1] یہ معلومات پدماشری سید احمد اللہ قادری صاحب سے حاصل ہوئیں۔

[2] " " " " " " " " "

ان کے شباب کا زمانہ کتابیں پڑھنے معلومات حاصل کرنے اور خدا کی مخلوق کے معلومات وسیع کرنے میں بسر ہوا۔ جوانی کے زمانے میں ان کے پاس اُنہی لوگوں کی آمد و رفت تھی جو ادیب اور سخنور تھے۔ تحقیق و تجسس کا ذوق رکھتے تھے۔ حکیم صاحب کا دور شباب نہایت سادہ سیدھا گذرا، ان کے شباب میں نہ لطف تھا، نہ رنگ رلیاں اور نہ کھیل تماشے، انہوں نے اپنی جوانی تدقیق اور تحصیل علم میں گذار دی۔

واقعاتِ زندگی: حکیم صاحب جزاء و سزاء کے قائل تھے۔ کہا کرتے تھے، جیسا بویا جاتا ہے، ویسا ہی کاٹا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب کے گھر سے دو رکابیاں چوری گئیں۔ حکیم صاحب نے اپنی بیوی کے

کہنے پر گھر کی ماما کو پولیس کے حوالے کر دیا وہ چند گھنٹے حوالات میں رہی اور تفتیش کے بعد بھی رکابیاں برآمد نہ ہوئیں تو حکیم صاحب نے متاثر ہو کر کہا کہ ایک بے قصور کے ساتھ میں نے زیادتی کی! اس کی سزا ضرور ملے گی۔ واقعہ کے تین سال بعد ملا مراد نامی ایک شخص نے پولیس میں درخواست دی کہ سیف الدین ادریسی[1] اور حکیم شمس اللہ قادری شام کے چھ بجے اُن کے گھر آئے اور دو عیاری لکڑی[2] کا کمرہ توڑ کر کہربا کی تسبیح اور دس کتابیں سرقہ کیں۔ پولیس نے دونوں کو ماخوذ کر کے دو دوسرے کی شخصی ضمانت پر رہا کیا۔ لیکن دوسرے روز مسروقہ تسبیح اور کتابیں خود

---

[1] حکیم صاحب کے ایک شاگرد

[2] لکڑی کی ایک قسم

ملا مراد کے داماد عبداللہ خاں کے گھر سے برآمد ہوئی۔ پولیس نے ملا مراد کو غلط اطلاع دہی کی پاداش میں گرفتار کر لیا، حکیم صاحب کو جب معلوم ہوا تو وہ بے چین ہوگئے اور ملا صاحب کو چھڑانے کے لئے پولیس اسٹیشن پہنچے۔ اس واقعہ کے بعد حکیم صاحب نے اپنی بیوی سے کہا کہ ملا صاحب کو فوری سزا ملی اور مجھے دیر میں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس دیر ہے، اندھیر نہیں ہے [1]

(۳) حکیم صاحب موقع کی نزاکت کو دیکھکر بات کیا کرتے تھے۔ نظام اسٹیٹ میں معاہدہ کے تحت ایک انگریز کمپنی ریل چلایا کرتی تھی، سر اکبر حیدری کی فینانس منسٹری کے زمانہ میں حکومت معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل کمپنی کو رقم دے کر ریل واپس لینا چاہتی تھی۔

---

[1] یہ معلومات پدما شری سید احمد اللہ قادری صاحب سے حاصل ہوئے۔

اخبارات نے اس پر ہنگامہ مچانا شروع کیا کہ اس میں حیدری صاحب کا ساز باز ہے ۔ معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں زیادہ عرصہ نہیں ہے ۔ رقم دیکر جلد ریل واپس لینے میں لاکھوں روپیہ کا نقصان ہے۔

اس زمانے میں حکیم صاحب کو ایک سو پچاس روپیہ ماہانہ علمی وظیفہ اور پانچ ہزار روپیہ عطیہ حضور نظام کے فرمان سے دیا جانے والا تھا ۔ ریل کے قضیہ سے فائدہ اٹھاکر بعض لوگوں نے سازش کی اور حیدری صاحب کو مخالف کرکے نقصان پہنچانے کے لئے اُن سے کہاکہ آپ کے بارے میں یہ سارے مضامین حکیم صاحب نے لکھے ہیں ۔ حیدری صاحب نے حکیم صاحب کو فوراً بلوا بھیجا اور ان سے پوچھا "کیا یہ مضامین آپ نے لکھے ہیں"؟ حکیم صاحب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ وہ موقع کی نزاکت کو

تاڑ گئے کہ اگر جواب نفی میں دیا جائے تو یقین نہیں کیا جائے گا۔ اور اقرار کی صورت میں بھی نقصان پہنچے گا۔ انہوں نے ڈٹ کر حیدری صاحب سے کہا، اگر یہ مضامین غلط ہیں تو حکومت کو اخبار کے خلاف مقدمہ چلانا چاہیئے۔ اگر صحیح ہیں تو لازم ہے کہ اس پر عمل ہو۔ حیدری صاحب ٹکا سا جواب سن کر حیرت میں پڑ گئے اور کہا کہ حکیم صاحب، میں آپ کی قدر کرتا ہوں۔ مضامین چھپوانے سے پہلے آپ مجھ سے پوچھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ اس پر حکیم صاحب ہنس پڑے، حیدری صاحب کو تعجب ہوا" پھر پوچھا۔ کیا یہ مضامین آپ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں؟ حکیم صاحب نے کہا اس ہست و نیست کو ابھی پردے میں رہنے دیجئے۔ بعد میں آپ کو اس کے لکھنے اور لکھوانے والے کا پتہ چل جائے گا[1]

---

[1] یہ معلومات پدماشری احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئے ہیں۔

شاگرد یا خوشہ چین: حکیم صاحب کے بے شمار شاگرد ہیں۔ حکیم صاحب علم کا ایک ذخار سمندر تھے۔ ان سے ان گنت لوگوں نے فیض پایا۔ ان کے شاگردوں کی مکمل فہرست دستیاب نہیں ہو سکی[1] ان کے خاص شاگردوں میں معین الدین قریشی ایم۔ اے شیخ چاند ایم۔ اے اکبر وفا قانی۔ پروفیسر بی۔ ڈی ورما۔ ڈاکٹر داؤد بارگیر ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے عقیدتمندوں اور ارادت کیشوں میں مولوی عبدالحق بابائے اردو۔ ڈاکٹر عبدالحق (مدراس) پروفیسر عبدالقادر سرفراز (پونا) پروفیسر محمد شفیع، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، حافظ محمود شیرانی ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر سر محمد اقبال، ڈاکٹر محمد اقبال

---

[1] یہ معلومات پدما شری احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئے۔

سر شیخ عبدالقادر، سر تیج بہادر سپرو، سر شاہ محمد سلیمان
ایڈورڈ اے۔ جی براؤن، جرجی زیدان، سید سلیمان
ندوی، افضل العلماء عبدالوہاب بخاری (مدراس)
اصغر گونڈوی، نیاز فتحپوری، منشی دیا نارائن نگم،
برج موہن دتاتریہ کیفی، پروفیسر عبدالستار صدیقی
(الہ آباد) مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی
صدر یار جنگ (علیگڈھ) سر ضیاء الدین احمد،
ڈاکٹر سر راس مسعود، سر نظامت جنگ، عبدالعزیز
بار ایٹ لا، سر محمد یعقوب اور سر اکبر حیدری شامل ہیں۔
استفادہ کرنے والوں کی فہرست طویل ہے
قابل ذکر سید محمد حسین جعفری، عبدالقادر سروری،
محمد امیر، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور اور ڈاکٹر
رفیعہ سلطانہ ہیں۔

شمس اللہ قادری نے اپنی
ملازمت: زندگی میں کبھی ملازمت نہیں

کی، حالانکہ کئی بار ملازمت کے مواقع فراہم ہوئے، ہمیشہ انہوں نے علمی و ادبی مصروفیات کو ملازمت پر ترجیح دی۔

دکن آرکیالوجیکل سوسائٹی کا قیام

آپ نے ۱۹۱۱ء میں جب "دکن آرکیالوجیکل سوسائٹی" کے نام سے ایک انجمن قائم کی تو ڈاکٹر جے۔ پی وگیل ڈائرکٹر آف آرکیولاجی نے اس سے دلچسپی لی۔ مسٹر وگیل کی سفارش پر حیدرآباد کے ریزیڈنٹ فریزر نے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا، حکیم صاحب کی کوشش اور مسٹر فریزر کی تائید سے (۱۹۱۴ء) حیدرآباد میں آثار قدیمہ کا محکمہ وجود میں آیا۔ اس زمانے میں سر اکبر حیدری ہوم سکریٹری تھے، انہوں نے آپ کو اس کا مہتمم بنانا چاہا۔ اسی زمانہ میں مدراس میں

ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حکیم صاحب مدراس میں مقیم تھے۔ جب اجلاس ختم ہو گئے تو جنوبی ہند کے قدیم سکّوں کی تحقیقات کے کام میں منہمک ہو گئے اور اسی سلسلے میں ڈیڑھ سال مدراس میں رہے۔ حکومت نے حکیم صاحب سے مایوس ہو کر مجبوراً سر جان مارشل سے خواہش کی کہ وہ سررشتہ آثار قدیمہ کے لئے کسی موزوں شخص کو بھیجیں۔ سر جان مارشل کی سفارش پر غلام یزدانی سررشتہ آثار قدیمہ کی مہتممی پر آئے۔

عثمانیہ یونیورسٹی کی تاسیس میں حصہ

۱۹۱۷ء میں سر اکبر حیدری نے موجودہ طریقہ تعلیم کی دو رنگی اور بے اصولی کو مٹانے اور ان خطرناک اور تباہ کن نقائص کو دور کرنے کے لئے جو

موجودہ طریقۂ تعلیم سے پیدا ہوگئے تھے۔ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم کو مروج کرنے کے سلسلہ میں حضورِ نظام کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی۔ اس دور میں عرضداشت کے حقیقی محرک حکیم سید شمس اللہ قادری اور مولانا عبدالحق تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے دور میں انگریزی ذریعہ تعلیم ختم کرکے ریاست میں دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی جدوجہد کے لئے سر اکبر حیدری کو آمادہ اور ہموار کیا تھا۔ جس کے باعث ابتداء میں سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم ہوا اور اس کے بعد یونیورسٹی کی بنیاد پڑی۔

جنوبی ہند کے اسلامی سکہ جات

اب سے کوئی پینتالیس(۴۵) برس قبل احمد آباد میں "نوسمائیٹک سوسائٹی" کا اجلاس منعقد ہوا تھا، ڈاکٹر وائٹ ہیڈ کی جانب سے

حکیم صاحب کو جنوبی ہند کے اسلامی سکہ جات کا ماہر مقرر کیا گیا۔

کتب خانہ آصفیہ کی توضیحی فہرست: حکومت حیدرآباد نے جب کتب خانہ آصفیہ کی توضیحی فہرست بنانے کے لئے اٹھارہ سو ۱۸۰۰ روپیہ کلدار ماہوار پر ایک روسی مستشرق مسٹر ایوانو کے تقرر کی سفارش کی اور یہ کارروائی معززہ کونسل میں پیش ہوئی تو کونسل نے تصفیہ کیا کہ حیدرآباد میں شمس اللہ قادری ماہر تاریخ و علوم موجود ہیں۔ فہرست سازی کے لئے ان سے بہتر شخص اور کوئی نہیں ہے۔ لہذا مسٹر ایوانو کی خدمات حاصل نہ کی جائیں اور یہ کام شمس اللہ قادری صاحب سے چھ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ دے کر لیا جائے۔ حضور نظام نے بھی کونسل کی اس تجویز سے اتفاق کرلیا، لیکن حکیم صاحب نے

حکومت کی اس پیشکش کو یہ کہکر مسترد کردیا کہ وہ فہرست سازی سے بھی ایک بہت زیادہ اہم یعنی اردو انسائیکلوپیڈیا (قاموس الاعلام) کی تدوین میں مصروف ہیں۔ اس لئے وہ مالی منفعت کی خاطر انسائیکلوپیڈیا کی تالیف کا کام نہیں چھوڑ سکتے۔ حکیم صاحب نے زور دیا کہ یہ کام مسٹر ایوانو ہی سے لیا جائے۔ حکومت، شمس اللہ قادری سے کام لینے پر مصر تھی لیکن وہ تیار نہ تھے[1]

پروفیسری کا پیشکش: وحیدالدین سلیم صدر شعبۂ اردو کا جب بعارضہ سرطان انتقال ہوا تو حیدری صاحب نے حکیم صاحب سے خواہش کی کہ وہ مولانا سلیم کا عہدہ سنبھال لیں۔ لیکن حکیم صاحب نے

---

[1] سعداللہ قادری حکیم صاحب کے سوانح تصنیف کر رہے تھے۔

یہ شرط پیش کی کہ اگر انہیں پانسو روپیہ ابتدائی یافت کی بجائے ہزار روپیہ کا پورا گریڈ دیا جائے اور فہرست پروفیسروں میں ان کا نام پہلا ہو تو وہ اس عہدہ کو قبول کرلیں گے۔ ابھی یہ کاروائی زیر تصفیہ ہی تھی کہ مولوی عبدالحق اورنگ آباد کالج کی پرنسپلی سے سبکدوش ہوگئے اور انہیں عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو کی پروفیسری پر فائز کردیا گیا۔

مجلس وضع اصطلاحات کی رکنیت: حکیم شمس اللہ قادری عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ تالیف و ترجمہ کی "مجلس وضع اصطلاحات" کے برسوں رکن رہے۔ اس کمیٹی کا کام غیر زبانوں کے الفاظ کو عام فہم اردو میں منتقل کرنا تھا۔ شمس اللہ قادری اور ان کے قابل ساتھیوں مثلاً مولوی علی حیدر طباطبائی، مولانا وحیدالدین سلیم

منشی عنایت اللہ، مولوی مسعود علی محوی اور خلیفہ عبدالحکیم وغیرہ نے تہی مایہ اردو کے خزانہ کو اپنے افکار عالیہ سے مالامال کیا اور اس خالص علمی ٹکسال میں الفاظ و امثال کے ایسے بیش قیمت سکے گھڑے گئے کہ آج وہ ہمارے ادب کا سرمایہ ہیں، جس سے اردو کی بے مایگی دور ہوئی ہے۔

رکن جیوری: حیدرآباد کی عدالت العالیہ نے جب اپنے پاس جیوری سسٹم نافذ کیا۔ حکیم شمس اللہ قادری مدت تک اس کے رکن رہے۔ جج اور جیوری میں اگر کبھی اختلاف ہوجاتا حکیم صاحب سب ارکین کی جانب سے اختلافی رائے لکھوایا کرتے تھے۔

حکومت کی قدر دانی شمس اللہ قادری نے ساری زندگی ملازمت نہیں کی اور آزادانہ زندگی بسر کی، اس میں شک نہیں کہ

انہیں بہت زیادہ مالی پریشانیاں لاحق تھیں جس کا اندازہ نواب سر نظامت جنگ صدر المہام سیاسیات حکومت نظام کی ایک تحریک سے ہوتا ہے جو انہوں نے شمس اللہ قادری کو مالی امداد دینے کیلئے حکومت میں کی تھی:

"حکیم شمس اللہ قادری اُن قابل قدر علماء میں ممتاز ہیں جنہوں نے کبھی اپنی تشہیر کو پسند نہیں کیا۔ اب تک جو کام انہوں نے کیا ہے وہ غیر معمولی قدر و قیمت کا انتہائی تحقیقی ہے۔ اگر انہیں حکومت کی طرف سے مالی امداد دی جائے تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہ سکے گا اور تلف نہ ہونے پائے گا۔ میرے خیال میں انہیں پانچ ہزار روپیہ

سابقہ خدمات کے صلہ میں اور پانچ ہزار روپیہ موجودہ تالیفات کی اشاعت کے لئے دیئے جائیں۔ ہر تصنیف کی اشاعت پر مزید صلہ تصنیف بھی عطا ہو۔ [1]

نواب سر نظامت جنگ کی یہ سفارش معززہ باب حکومت میں اُن کی صدرالمہامی سے سبکدوشی کے بعد ۲۸ اسفندار ۱۳۳۹ف کو اس طرح منظور ہوئی:

"حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب کو اُن کے لائق قدر علمی خدمات کے مدنظر مبلغ پانچہزار یک مشت عطیہ اور بطور صلہ تصانیف آغاز سنہ ۱۳۳۰ فصلی سے مبلغ

---

[1] سٹی میونسپل حکیم سید شمس اللہ قادری ص۱۰

ایک سو پچاس روپیہ ماہوار دیئے
جانے سے کونسل متفق ہے حسبہٗ
سفارش کی جاتی ہے۔

نیز قرار پایا کہ حکیم صاحب کے
تصنیفات کی آئندہ اشاعتوں کے
موقع پر مصارف طبع و اشاعت
سے متعلق گورنمنٹ ہمدردانہ سلوک
کرے گی۔

یہ بھی طے پایا کہ حکیم صاحب
کے علمی کاموں کی جامعہ عثمانیہ
کی جانب سے نگرانی کی جائے گی"۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام نے کونسل کی
عرضداشت پر حکیم صاحب کے بارے میں
۱۲/ شوال المکرم ۱۳۴۸ھ کو حسب ذیل فرمان
صادر فرمایا:

"کونسل کی رائے منظور کی جاتی ہے
حسبۂ حکیم شمس اللہ قادری کو پانچہزار
روپیہ یکمشت اور بطور صلہ تصانیف
یکم آذر ۱۳۳۹ف سے ڈیڑھ سو
روپیہ ماہوار اُن کے نام تاحیات
اس شرط سے جاری کی جائے کہ
اُن کے علمی کاموں کی نگرانی جامعہ
عثمانیہ کی جانب سے کی جائے گی
اور آیندہ اُن کی تصانیف کے
اشاعتوں کے موقع پر منجانب
گورنمنٹ امداد دینے کی نسبت
لحاظ کیا جائے گا۔"

علالت: حکیم صاحب کبھی کبھی علیل ہوجاتے تھے۔ یہ جگر اور بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ ابتدا میں حکیم

وحید الدین عالی اور حکیم مصلح الدین سے علاج
کرواتے تھے۔ کبھی اپنا علاج آپ ہی کر لیتے
تھے حکیم عبدالوہاب انصاری نابینا سے کیفیت لکھکر
دہلی سے دوائیں منگواکر استعمال کرتے اور جب
کبھی حکیم نابینا حیدرآباد آتے، بہ نفس نفیس خود
جاکر دوائیں لیتے تھے۔ اور کبھی حکیم فضل الرحمٰن
حکیم محمود الرحمٰن اور ڈاکٹر ریم۔ کے پنڈت سے بھی
رجوع ہوتے تھے[1]

حکیم صاحب نے اپنے والد کی
وفات: طرح مرنے سے تین دن قبل
اپنے رشتہ داروں کو بتادیا تھا کہ وہ ۱۳ صفر
سے قبل مرجائیں گے اگر ۱۳ صفر گذر جائے تو
مزید دس برس اور زندہ رہیں گے۔ لیکن
۱۲ صفر ہی کو وہ اس دنیا سے چل بسے[2]

[1] یہ معلومات پدماشری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئے۔
[2] " " " " " " " "

مرنے سے ایک دن پہلے اکیس اکتوبر ۱۹۵۳ء کو بہت ہی ہشاش بشاش تھے، لیکن شام سے طبیعت میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ اس دن تفریح کے لئے باہر بھی نہیں نکلے۔ مکان کے سامنے ہی پیسہ اخبار کا پریس تھا۔ ملازمین کو دیکھنے کے لئے روزانہ پریس کو جایا کرتے تھے اس دن پریس گئے لیکن بہت جلد واپس آکر اپنے تخت پر لیٹ گئے۔ رات کے پونے بارہ بجے کھانے کے لئے سید احمد اللہ قادری کو بلوایا احمد اللہ قادری اخبار کا اداریہ لکھ رہے تھے۔ احمد اللہ قادری کے آنے میں تاخیر ہوئی تو دوبارہ ملازم کو بھیجا اور جب وہ آئے تو حکیم صاحب نے نہایت درد بھرے لہجہ میں کہا: "میں زندہ ہوں اس لئے بار بار بلاتا ہوں۔ اس کے بعد

تمہیں کل کون بلائے گا[1] یہ بات یہیں پر ختم ہوگئی۔
حکیم صاحب کے چھوٹے صاحبزادے سیّد سعد اللہ قادری رات کے پونے نو بجے اپنے کمرے سے باہر نکلے تو دیکھا، حکیم صاحب گیٹ کے اندر چبوترے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعد اللہ صاحب کے پوچھنے پر حکیم صاحب نے کہا کہ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے یہاں بیٹھا ہوں۔" یہ سُن کر سعد اللہ قادری نے سب گھر والوں کو جگا دیا، حکیم صاحب نے کہا احمد اللہ کو مت جگاؤ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن جب گھر میں زیادہ گڑبڑ ہونے لگی تو احمد اللہ قادری کی آنکھ کھُل گئی۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت اور بگڑ گئی تو منجھلے صاحبزادے امداد اللہ قادری نے ڈاکٹر کو بلانے کے لئے فون

---

[1] یہ معلومات ہیڈ ماسٹر سید احمد اللہ قادری سے معلوم ہوئے۔

اٹھایا تو فون خراب تھا۔ اور ڈاکٹر کو لانے کے واسطے موٹر نکالی گئی تو بیٹری اتر چکی تھی۔ امداد اللہ جلد ہی قریبی ڈاکٹر کے پاس دوڑے اور ڈاکٹر کو لائے اس وقت زبان بند اور ہاتھ پیر سرد ہو گئے تھے، احمد اللہ قادری نے "کورامن" کی سات بوندیں پانی میں ڈال کر حکیم صاحب کو آواز دی تو حکیم صاحب نے صرف "ہاں" کہا جب دوا حلق میں ڈالی گئی تو بڑی مشکل سے انہوں نے پی آخرکار ۶۸ سال کی عمر میں ۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کو رات کے ٹھیک ساڑھے تین بجے حرکت قلب بند ہو گئی اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حکیم صاحب کی نماز جنازہ

آخری رسومات: ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۳ء بروز پنجشنبہ مسجد چیل بازار میں بوقتِ عصر پڑھی گئی اور

قادری چمن میں تدفین عمل میں آئی نماز جنازہ اور میّت کے جلوس میں علماء و فضلا اور مشاہیر ملک بڑی تعداد میں شریک تھے[1]

تعزیتی خطوط: حکیم سیّد شمس اللہ قادری کے انتقال پر ان کے عقیدتمند اور دوست احباب نے بے شمار تعزیتی خط بھیجے اور ملک کی نامور ہستیوں نے ان کا ماتم کیا۔ سعد اللہ اور امداد اللہ قادری نے ان میں سے اکثر تعزیتی خطوط کو اپنے روزانہ اخبار "سلطنت" میں شائع کیا۔

قطعۂ تاریخ بھیجنے والوں میں مشہور صوفی رباعی گو شاعر، حکیم الشعراء حضرت احمد حسین امجد نواب علی خاں جاگیردار فریدون جاہی وکیل ہائیکورٹ، نقاش سیرت محمد احمد اللہ خان منصور،

---

[1] روزنامہ سلطنت بتاریخ ۲۴، اکتوبر ۱۹۵۳ء روز شنبہ ص۲

نوراللہ صاحب نوری، علامہ عبداللہ خاں کابل، حضرت جذب عالمپوری، بشیر احمد خاں بشیر، صمصام شیرازی (مدیر شیراز) برق موسوی، استادِ سخن حضرت آغا خلش کاشمیری (ایڈیٹر مصور بمبئی) اور میر نظیر علیخاں نظیر اور سلطان محمود قابلِ ذکر ہیں۔

مکان آنے اور تعزیتی پیامات بھیجنے والوں میں ڈاکٹر راجندر پرشاد (صدر جمہوریہ) ڈاکٹر سیّد محمود (وزیر خارجہ حکومت ہند) ڈاکٹر بی رام کشن راؤ (وزیر اعلیٰ حیدرآباد) نواب مہدی نواز جنگ (وزیر حکومت حیدرآباد و گورنر گجرات) سر مرزا اسمعیل (سابق وزیر اعظم حیدرآباد) جسٹس ڈاکٹر نواب ناظر یار جنگ شری ایل این گپتا (معتمد تعلیم حکومت حیدرآباد) نواب ہوشیار جنگ (معتمد) کرنل ڈاکٹر واگھرے نواب مقصود جنگ (سابق ناظم طبابت یونانی) شری جانکی پرشاد (نائب ناظم اطلاعات)

مولانا ڈاکٹر اشرف۔ شری بالریڈی اور مسٹر کاوش بدری (ایڈیٹر فن کار مدراس) شامل ہیں۔

ریاستی کابینہ نے حکیم صاحب پر تعزیتی قرارداد منظور کی۔ اس کے علاوہ روزنامہ "امروز" پاکستان کا رنج وغم سے مملو ایڈیٹوریل، فری پریس جنرل کا اظہار عقیدت۔ روزنامہ نظام گزٹ اور روزنامہ اقدام کا اداریہ، بزم راغب ویلور کی قرارداد تعزیت مولوی عبدالمقتدر خاں ناظم ایڈوکیٹ کی مجلس ایصال ثواب حیدرآباد میونسپل کارپوریشن کی قرارداد تعزیت "ایک صاحب خرد اٹھ گیا" ملک کے صحیفہ نگاروں کا اظہار تاسف بھی روزنامہ سلطنت" میں شائع ہوئے تھے۔

نواب جیون یار جنگ بہادر بی۔اے

تاثرات: بار ایٹ لا، سابق چیف جسٹس حیدرآباد ہائی کورٹ نے "ہندوستان" نے ایک

عظیم المرتبت مورخ کھودیا" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جو مختلف انگریزی اخباروں میں شایع ہوا۔

حکیم صاحب کے ایک اور عقیدت مند نشاط چشتی (اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار) نے "آفتاب مورخین علامہ شمس اللہ قادری زندہ ہیں" کے عنوان سے اپنے تاثرات پیش کئے۔

ہندوستان کے واحد رباعی گو شاعر حضرت احمد حسین امجد نے حکیم صاحب کی وفات پر مادہ تاریخ برآمد کرکے ذیل کے مکتوب کے ساتھ حکیم صاحب کے بڑے فرزند کے پاس روانہ کیا۔

عزیزمن مولوی سید احمد اللہ قادری صاحب سلمہٗ

اسلام علیکم۔ آپ کے والد کی وفات کی خبر اخبارات میں پڑھکر مجھے بے حد تکلیف ہوئی جناب مرحوم میرے قدیم ملاقاتی تھے۔ اب ایسے شخص کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ اپنے فن میں یکتا فرد

تھے میں اپنی علالت کی وجہہ سے آپ کے پاس تعزیت کے لئے نہ آسکا اپنی محبت کی یادگار ایک قطعہ تاریخ "محبوب القلوب" بھیجتا ہوں۔

آہ بگزشت آن مورخ از دکن
مثل او دیگر نبود اندر جنوب
آمد از قلب محبانش صدا
رفت شمس اللہ محبوب القلوب

۱۳۷۳ھ

قطعہ تاریخ حضرت جذب عالمپوری

آں مورخ حکیم شمس اللہ
زیں جہاں رفت سوئے باغ جناں
چہ کنی جذب فکر سال وفات
شمس بلدہ غروب شد برخواں

۱۹۵۳ء

شمس اللہ قادری

بحیثیت انسان

وضع قطع شمس اللہ قادری میانہ قد تھے، زیادہ دبلے تھے نہ موٹے، جسامت اوسط تھی، جسم میں فربہی نہ تھی۔[1] آخری ایام حیات میں ان کا وزن ایک سو بیس پونڈ تھا۔ ایام شباب کے بعد سے مسلسل مطالعہ اور تخت پر بیٹھکر مقالات لکھنے کی وجہہ سے پشت خمیدہ ہوگئی تھی۔ لیکن کمر سیدھی تھی۔ انگلیاں اوسط سے زیادہ لانبی تھیں اور ہاتھ بھی کسی قدر طویل تھے۔ حکیم صاحب کا رنگ زمانۂ شیب سے پہلے کھلا گندمی رہا ہوگا لیکن زمانہ شیب اور آخری ایامِ حیات میں ان کے رنگ میں برشتگی پیدا ہوکر گندمی ہوگیا تھا۔ چہرہ کے خطوط میں قابلِ ذکر بات یہہ تھی کہ ناک ستواں، دہن متناسب اور پیشانی اوسط سے زیادہ کشادہ تھی، ان کے چہرہ بشرہ کی امتیازی خصوصیت جو ان کی عظیم شخصیت

---

[1] یہہ معلومات برقؔ موسوی ہوریڈ ماسٹر و سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

کو نشان زد کرتی تھی وہ ان کی آنکھوں کی غیر معمولی چمک اور کشش تھی۔ ٹیگور اور آئین اسٹائن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی آنکھیں نہ صرف روشن بلکہ پُرکشش بھی تھیں۔ جو دنیا کے بڑے لوگوں کی نشانی ہے۔ حکیم صاحب کی آنکھوں سے ان کی پوری علمی شخصیت اور عظمت جھانکتی تھی۔ کثرت مطالعہ، غور و فکر اور شب بیداری سے رخسار کی ہڈیاں کسی قدر ابھر آئی تھیں۔ جب وہ استراحت کرتے تو گال اندر دھس جاتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بیمار سو رہا ہے۔ ان کے سر کے بال بہت کم شرمندۂ شانہ ہوتے۔ ہمیشہ بال پریشان رہا کرتے تھے۔ حکیم صاحب داڑھی مونڈتے تھے اور مونچھیں کسی قدر لانبی رکھتے تھے۔ چال میں استقامت تھی اور آواز بہت اونچی تھی۔ بغیر آلہ مکبر الصوت اپنی آواز کو وہ جلسہ کی آخری صفوں تک پہنچا سکتے تھے۔

شمس اللہ قادری بہت سیدھا سادہ

لباس: لباس پہنا کرتے تھے۔ لباس سے زیادہ علمی شغف کی طرف توجہ کرتے تھے۔ عالم شباب میں شیروانی، قمیص، پائجامہ، رومی ٹوپی اور کبھی کبھی شملہ باندھا کرتے تھے۔ آنکھوں پر سنہری کمانی کی عینک لگاتے اور چڑاوئیں جوتے پہنتے تھے۔ کبھی شوز اور کبھی لانگ بوٹ بھی۔

۱۹۱۹ء میں جب ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو ان میں کافی تبدیلی آگئی۔ اور اچھے لباس کا احساس ہٹ گیا۔ اس کے بعد وہ بالعموم کھادی کی لانبی اور ضرورت سے زیادہ ڈھیلی شیروانی پہننے لگے۔ شیروانی کے اندرونی حصہ میں بھی جیب ہوتے تھے۔ اور ہر جیب میں کچھ نہ کچھ رکھا ہوتا تھا۔ شیروانی کیلئے کبھی نورانی پارچہ فروش اور کبھی کھادی بھنڈار سے کپڑا خریدا کرتے تھے۔[1]

---

[1] یہ معلومات حکیم صاحب کے ایک قریبی دوست تصدق حسین تاج سے حاصل ہوئیں۔

نورانی کی دکان اُس وقت حیدرآباد کی بڑی دکانوں میں شمار ہوتی تھی اور پتھر گٹی کے قریب ہی واقع تھی۔ حکیم صاحب چالیس سال کی عمر تک قمیص پہنتے رہے۔ ایک مرتبہ کسی بات پر غصہ میں آگئے۔ فوراً اپنی قمیص اتار کر پھاڑ ڈالی اور پھر کبھی قمیص نہیں پہنی قمیص کی بجائے بنیان استعمال کرنے لگے بنیان گھٹنوں کے قریب تک لانبی ہوتی تھی بنیان پر بھی ڈھیلی واسکوٹ پہنا کرتے۔ جس میں اندر اور باہر متعدد جیبیں ہوتی تھیں۔ گھر میں رات دن بنین پہنے رہتے۱ حکیم صاحب نے عالمِ شیب کے آغاز کے بعد رومی ٹوپی کا استعمال ترک کر دیا۔ اور بالوں کی کیپ پہننے لگے جس کو عام طور پر یہاں کایستھ پہنا کرتے تھے۲

---

۱ یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

۲ یہ معلومات حکیم صاحب کے قریبی دوست تصدق حسین تاج سے حاصل ہوئیں۔

شروع ہی سے نزدیک اور دور کے لئے وہ علحدہ عینکیں استعمال کرتے تھے ۔ عینک کی بنوائی کے لئے "عنایت علی یوسف علی" کی دوکان پر جایا کرتے تھے جو گلزار حوض کے قریب ہی واقع تھی ۔ حکیم صاحب کو فونٹن پن جمع کرنے کا بھی شوق تھا شیروانی کے جیب میں ہمیشہ چار پانچ فونٹن پن لگے رہتے تھے ۔ ہر رنگ کی روشنائی کے لئے الگ الگ فونٹن پن استعمال کرتے تھے ۔ ان میں سے چند فونٹن پن مہاراجہ کشن پرشاد اور مہدی نواز جنگ کے تحفے تھے ۔

اخلاق و عادات: حکیم صاحب منکسر المزاج تھے اور بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ کبھی شطرنجی اور کبھی ٹاٹ کے تھیلے پر بیٹھا کرتے اور لکڑی کے ایک پرانے تخت پر سوتے، بعض وقت سیلو کے فرش پر

کچھ بچھائے بغیر ہی بیٹھ جاتے تھے۔ راتوں میں بہت کم سوتے اور صبح جلد اٹھتے۔ شروع ہی سے روزانہ گھنٹوں مطالعہ کرتے اور مقالات لکھنے کی عادت تھی۔ صبح بستر سے اٹھتے ہی سگار پیتے اور ضروریات سے فارغ ہوکر مطالعہ میں مصروف ہوجاتے تھے اور ناشتہ کے بعد بھی گھنٹوں مطالعہ کرتے اور پھر مقالات لکھتے رہتے تھے۔ روزانہ شام میں تفریح کے لئے نکلتے۔ گھر میں ان کے صاحبزادوں کی دو موٹریں تھیں۔ لیکن ان کو رکشا کی سواری پسند تھی۔ رکشا والے کو کم ازکم دو روپیہ کرایہ دیتے۔ اس لئے ان کے دروازے کے پاس شام کے وقت اکثر رکشا والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اگر کسی ہوٹل میں خود چائے پیتے تو رکشاوالے کو بھی پلاتے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو رکشاوالے رو رہے تھے۔ ان کی ایک قدیم ملازمہ راجا ان کے انتقال کے بعد

بہت جلد مر گئی۔ ان کے پرانے ملازم آج بھی یاد کرتے ہیں اور جب بھی حکیم صاحب کا ذکر آتا ہے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

حکیم صاحب کو مرغن غذاؤں کے استعمال کا شوق نہ تھا۔ خوراک بہت کم تھی، غذاؤں میں نیم برشت انڈے، ترکاریوں میں، پالک، ٹماٹے اور پپیتا بڑے شوق سے کھاتے تھے، سرخ مرچ سے زیادہ کالی مرچ پسند تھی۔ کافی، چائے اور سگار کے حد درجہ شائق تھے۔ سگار اس کثرت سے پیتے کہ مونچھ کے سفید بال بھورے ہو گئے تھے۔ چائے میں شکر بالعموم کرسٹلی (دانہ دار) استعمال کرتے تھے۔ روزانہ صبح ناشتہ میں نرم کھچڑی کھاتے اور گھر کے تمام بچوں کو اپنے ہاتھ سے کھچڑی تقسیم کرتے۔ اور سب بچے اپنی اپنی رکابی لے کر سامنے کھڑے رہتے تھے۔

حکیم صاحب اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ جب کبھی بچے بیمار ہوجاتے تو آدھی رات کو زیرِ سماء دامن پھیلا کر انکی صحت یابی کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔ کوئی بچہ زیادہ بیمار ہوجاتا تو بچے کے پلنگ کے اطراف تین چکر لگاتے اور بچوں پر سے پانی وار کر خود پی لیتے اور کہتے "خدا تمہاری بیماری مجھے دے دے"

حکیم صاحب کی طبیعت میں انسانی ہمدردی اس بلا کی تھی کہ الفاظ کے ذریعہ اس کا اظہار ناممکن ہے۔ وہ کسی کو بیمار دیکھتے تو اس کا علاج کرواتے اور کبھی مریض کو اپنے گھر لاکر علاج و معالجہ کا بندوبست کرتے تھے۔

غالباً ۱۹۲۵ء میں غلام محمد جو ان کے باپ کے پروردہ تھے پلیگ میں مبتلا ہو گئے۔ حکیم صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو وہ فوراً ان کو جھٹکے[1] میں ڈالکر

---

[1] ایک قسم کی گاڑی جسے گھوڑا کھینچ کرلے جاتا ہے۔

اپنے گھر لے آئے اور تیمار داری کی، حالانکہ پلیگ ایک متعدی اور مہلک مرض ہے۔ اُن دنوں چار پانسو آدمی روزانہ اس موذی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو رہے تھے۔[1] یہ غلام محمد حکیم صاحب کے والد کی خادمہ کا لڑکا تھا۔ جس کی پرورش حکیم صاحب کے والد نے کی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد حکیم صاحب نے اس خادمہ زادے کو اپنے والد کا نصف "یومیہ" تیرہ روپیہ دس آنے[2] چھپائی یہ لکھکر کرادیا کہ غلام محمدؐ بھائی ہے۔ اس پر اہلِ خاندان بہت ناراض ہوئے لیکن حکیم صاحب نے کسی کی خفگی کی مطلق پروا نہ کی۔

حکیم صاحب ہر ملنے والے سے اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ گھر پر ملنے آنے والے کو باہر کے دروازے

---

[1] یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

[2] تیرہ روپیہ بارہ آنے آج کے ستر روپیہ کے مساوی ہیں۔

تک خود بے جاکر رخصت کرتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر اشرف نے ان کی وفات پر اپنی ڈائری کے ایک ورق میں لکھا ہے کہ:

"خدا غریقِ رحمت کرے، مرحوم میں بیشمار خوبیاں تھیں۔ باوجود علم و فضل کے، بے انتہا منکسر المزاج اور بہت ہی سادہ طبیعت اور انتہائی خلیق واقع ہوئے تھے چنانچہ ایک معمولی آدمی کو بھی "جناب" سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ ان کی بلند اخلاقی اور قدر شناسی کو شاید ہی میں فراموش کرسکوں کہ جب بھی ان کے پاس گیا وہ سواری تک مجھے چھوڑنے آتے تھے۔ ابھی گذشتہ عیدالضحیٰ کے موقع پر جب میں ان کے پاس گیا تو مجھے چھوڑنے پابرہنہ سڑک تک



Late Hakeem Sayyid Shamsullah Qadri
with
Moulana Ashraf, (1952)

تشریف لائے۔ میں نے کہا بزرگ
محترم آپ ایک ایسے شخص کے لئے
اتنی زحمت گوارا کرتے ہیں جو آپ
کے صاحبزادوں سے عمر میں چھوٹا ہے۔
تو فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب میں آپکی
عمر کی نہیں بلکہ آپ کے علم و فضل
کی تعظیم کرتا ہوں۔ اور یہی جذبہ
مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے[1]۔

حکیم صاحب جب کبھی کسی کو مصیبت میں دیکھتے زار و قطار رو دیتے تھے اور اس کی ہر ممکنہ مدد کرنیکی کوشش کرتے تھے۔ جو بھی روپیہ پیسہ آتا، کچھ اپنی محدود ضروریات کے تحت رکھ لیتے، باقی غریب رشتہ داروں میں بانٹ دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ہزار روپیہ تھے لیکن دوسرے ہی دن جیب خالی

---

[1] مولانا اشرف مدظلہ کی ڈائری کا ایک ورق" روزنامہ سلطنت شمارہ ۶، ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء

تھی۔ کبھی کسی کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔[1]
لال باغ جہاں اب چھتہ بازار، یوسف بازار، اسٹیٹ ٹاکیز
اور سالار جنگ میوزیم کی عمارات ہیں۔ اُس کے اراضی کے
معاوضہ کی کچھ رقم دس ہزار نوسو روپیہ سالار جنگ
اسٹیٹ سے ملی تو بلا طلب دس ہزار روپیہ احمد اللہ
صاحب کے اخبار کی توسیع کے لئے حکیم صاحب نے
دیدئے۔ اور صرف نوسو روپیہ اپنے اخراجات کے
لئے رکھے۔ اس سے ان کے ظرف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ڈسمبر ۱۹۲۹ء میں احمد اللہ قادری صاحب شدید
قسم کے نمونیہ سے فریش تھے، حکیم صاحب اس
زمانہ میں سخت ملی تفکرات سے پریشان تھے، رات
میں جب کہ ان کے فرزند احمد اللہ قادری بے ہوش
تھے۔ ایک پڑوسی حکیم صاحب کے پاس قرض مانگنے
پہنچے۔ اس وقت حکیم صاحب کے یہاں صرف پانچ

---

[1] آندھرا نامہ ص ۲۷۶

روپیہ تھے، انھوں نے حوالے کر دیئے، دوسرے دن صبح کو فرزند کی دوا کے لئے حکیم صاحب کے پاس ایک حبّہ بھی نہیں تھا[1]

حکیم صاحب اپنا کام آپ خود کرنے کے عادی تھے۔ معمولی سے کام کے لئے کسی دوسرے کو زحمت نہیں دیتے تھے۔ جب کبھی بحال رہتے ذومعنی اور دلچسپ اشعار مزاحیہ انداز میں سنایا کرتے تھے۔ اور جب کبھی جلال میں آجاتے تو کہا کرتے کہ "مجھے مت ستاؤ میری رگوں میں "فاطمہؑ[2]" کا خون ہے۔

مشاغل: علمی دلچسپی، ادبی خدمات، تصنیف و تالیف اور خریدی کتب حکیم صاحب کے

---

[1] یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

[2] پیغمبر اسلام کی صاحبزادی اور حضرت علی علیہ السلام کی شریک حیات۔

[3] "فرزندان حکیم صاحب سید شمس اللہ قادری کا اظہار تشکر" روزنامہ سلطنت مدیر سید احمد اللہ قادری و امداد اللہ قادری شمارہ (۲۷۸) ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۳ء۔

محبوب ترین مشاغل تھے۔ اور وہ ہر اچھی کتاب خرید لیتے تھے۔ چاہے فاقے بھی کیوں نہ کرنے پڑیں[1]

ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ[2] نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا۔

شمس اللہ قادری بہ حیثیت انسان اپنے لباس اور نشستگاہ پہ کبھی توجہ نہیں دیتے تھے ان کی ساری توجہات علم و ادب پر مرکوز رہتی تھیں[3]

دوست احباب: حکیم صاحب کے دوست احباب کی بہت طویل فہرست ہے۔ خاص دوست احباب کے نام یہ ہیں:۔

حکیم مصباح الدین، حکیم منصور علیخاں، حکیم

---

[1] آندھرا نامہ ص ۲۷۶

[2] محترمہ ان دنوں نظام کالج میں انچارج شعبۂ اردو ہیں۔

[3] یوم شمس المورخین روزنامہ سلطنت مدیر سید سعد اللہ سید امداد اللہ قادری شمارہ (۴۷) ۴ نومبر ۱۹۵۷ء

امتیاز الدین حسین (بریلوی) حکیم محب حسین، عبداللہ خاں، مولوی سید تصدق حسین (مہتمم کتب خانہ آصفیہ) نواب عماد الملک، سر عقیل جنگ، سر مہدی یار جنگ، مولوی فدا حسین خاں وکیل، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں (نائب صدر جمہوریہ ہند) مولانا عبدالحق بابائے اردو، عبدالرزاق کانپوری، سر تیج بہادر سپرو، موتی لال نہرو، سر شاہ سلیمان سر محمد عثمان، سر محمد یعقوب، اصغر یار جنگ، ناظر یار جنگ سر عبدالقادر، حبیب الرحمن خاں شروانی (حبیب گنج) ڈاکٹر سید محمود، سروجنی نائیڈو، محمد شفیع (لاہور) حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر تاراچند، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری (سابق صدر کانگریس) محبوب عالم (ایڈیٹر پیسہ اخبار) محفوظ الحق (کلکتہ) حضرت خواجہ حسن نظامی، حکیم اجمل خاں، پروفیسر عبدالحق سرفراز (پونہ) افضل العلماء عبدالحق (مدراس) ظفر الملک علوی (لکھنؤ) خواجہ عبدالرؤف عشرت مولوی شبلی نعمانی،

عزیز مرزا، سید علی بلگرامی، مولانا حالی، سید سلیمان ندوی، عبدالسلام ندوی، اعظم یار جنگ، چراغ علی، اکبر الہ آبادی، دیا نرائن نگم (کانپور) برج موہن دتاتریہ کیفی، علی یاور جنگ، مہدی نواز جنگ، ہاشمی فرید آبادی، نواب جیون یار جنگ، مرزا فرحت اللہ بیگ، ظفر علیخاں، وحید الدین سلیم، علی حیدر طباطبائی، فصاحت جنگ جلیل، احمد حسین امجد اور سر اکبر حیدری۔

مصر، یورپ، اور فرانس میں بھی علامہ حکیم صاحب کے خاص دوست رہتے تھے، جن میں جرجی زیدان، ای۔ جی براؤن، سر ڈینی سن راس، پروفیسر نکلس، پروفیسر دوگل، سر جان مارشل اور ریم۔ ادمون گودار دگورنر فرانسیسی نوآبادیات)

نواب جیون یار جنگ سابق چیف جسٹس حیدرآباد[۱]

---

[۱] "ہندوستان نے اپنا ایک عظیم المرتبت مورخ کھو دیا" نواب جیون یار جنگ بہادر روزنامہ سلطنت مدیر سعد اللہ۔ امداد اللہ قادری شمارہ (۶) ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء

نے حکیم صاحب کے انتقال کے بعد اُن پر ایک زبردست مقالہ لکھا تھا جو حیدرآباد کے تمام اردو، انگریزی اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اس معلومات آفرین مضمون کا ایک فقرہ یہہ ہے:

"آپ کے احباب کا حلقہ ہماری مملکت حیدرآباد سے بہت زیادہ وسیع ہوکر تقریباً تمام ہندوستان کے بزرگوں پر پھیلا ہوا تھا اور سمندر پار چلا گیا تھا۔ مجھکو ذاتی طور پر علم ہے کہ بہ حیثیت ایک جید عالم، سر شاہ سلیمان، سر ضیا الدین احمد، سر تیج بہادر سپرو، نواب صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی فرسٹ وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی اور سر اکبر حیدری آپ کے خاص مداحوں اور ثنا خوانوں میں تھے، جن سے اب آپ

خود جانتے ہیں۔ اول الذکر تین اصحاب بطور خاص جب کبھی حیدرآباد تشریف لاتے حکیم صاحب سے ملاقات اور ان کے لاجواب کتب خانہ سے کسی نہ کسی طور پر استفادہ کرنے کی غرض سے ضرور اُن کے گھر آتے تھے۔

موجودہ اکابرین ہند میں سر محمد عثمان، سر مرزا اسمٰعیل اور ڈاکٹر سید محمود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔"

غلام محمد سابق گورنر جنرل پاکستان اب سے ۲۷ سال پہلے حیدرآباد میں وزیر فینانس تھے۔ حکیم صاحب کے پاس ان کی بہت آمد و رفت تھی۔ ان کی لائبریری میں ایک پرانا تخت بچھا رہتا تھا۔ غلام محمد صاحب جب حکیم صاحب کے یہاں آتے تو کبھی کبھی بڑی بے تکلفی سے اس تخت پر سو جاتے تھے۔[1]

---

[1] روزنامہ سلطنت ۴ نومبر ۱۹۵۷ء

شری زاہد حسین سابق گورنر رزرو بنک پاکستان شری غلام محمد کے بعد حیدرآباد کے وزیر فینانس ہوئے۔ وہ بھی حکیم صاحب کے یہاں اکثر آتے تھے۔

حکیم صاحب اپنے دوستوں کی اپنی حیثیت سے زیادہ خاطر و مدارت کرتے تھے۔ جب باہر سے دوست احباب حیدرآباد آتے تو شام میں حکیم صاحب کے گھر پر ان کا جمگھٹا رہتا تھا۔ شام کا کھانا حکیم صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ کھاتے اور اپنے ہاتھ کے پکے ہوئے لذیذ کھانے اور دوسرے لوازمات سے ان کی تواضع کرتے تھے۔[1]

حکیم صاحب کا دائرہ احباب اگرچہ بہت وسیع تھا لیکن خاص محفلوں میں صرف ارباب فضل و کمال ہی مدعو رہتے تھے۔ اور دوست احباب حکیم صاحب کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے اور دل سے ان کے

[1] یہ معلومات بدرم شری سید احمد افتخار قادری سے حاصل ہوئیں۔

قدردان تھے، حکیم صاحب کے ہندو دوست محبت سے انہیں "شمس اللہ" کی بجائے "سورج نارائن" پکارا کرتے جو شمس اللہ کا ہم معنے ہے[1]

سیر و سیاحت: حکیم صاحب کو ابتداء ہی سے سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ بچپن ہی سے وہ اپنے والد کے ساتھ دور و دراز کے ممالک کی سیر کر چکے تھے[2] حکیم صاحب دس سال کی عمر میں کلکتہ، ہانگ کانگ، رنگون، سنگاپور، جاوا، سماٹرا، اور ملایا دیکھ آئے تھے[3] والد کے انتقال کے بعد تقریباً سال میں دو مرتبہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کیلئے مدراس جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی الہ آباد، کبھی لاہور، اور کبھی کلکتہ میں رہتے تھے۔

---

[1] یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

[2] نامکمل خود نوشت سوانح۔

[3] یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئیں۔

جب بھی مدراس جاتے "مور مارکٹ" سے پرانی کتابوں
کا ذخیرہ خرید لاتے۔ حکیم صاحب نے قدیم سکّوں کی
تلاش میں بھی کئی مقامات کا سفر کیا تھا۔[1]

حافظہ: حکیم صاحب بچپن سے بے حد ذہین تھے، حافظہ اتنا قوی اور تیز تھا کہ
ایک بار کسی چیز کو پڑھ لیتے یا سن لیتے تو یاد رکھتے اور
کبھی نہیں بھولتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک نامور
پروفیسر تاریخ جن کے نام کو میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔
ایک مصنف کے حالات کی جستجو تھی اور وہ کہیں
نہیں مل رہے تھے۔ پروفیسر صاحب حکیم صاحب کے
پاس آئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا، حکیم صاحب
نے اسی وقت انہیں اسّی کتابوں کے نام لکھوا دیئے
جنمیں اس مصنف کے حالات تھے۔ وہ کتابیات کے ہندوستان
میں ایسے واحد ماہر تھے کہ ان کے مرتبہ کے محقق اس صدی
میں مفقود ہیں۔[2]

[1،2] حکیم صاحب کی نامکمل سوانح سے لیا گیا ہے جسکو انکے فرزند سعداللہ قادری تصنیف کر رہے تھے۔

خودداری: حکیم صاحب منکسر المزاج ہونے کے ساتھ ساتھ جذبات کی رو میں کبھی بے قابو نہیں ہوتے تھے۔ حکیم صاحب کی اقتصادی حالت کچھ زیادہ ٹھیک نہیں تھی، اس کے باوجود انہوں نے کبھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا اور اپنی خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ان کے طور طریق، دوست نوازی اور رکھ رکھاؤ نے محسوس تک ہونے نہیں دیا کہ وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔

حضور نظام نے جب انہیں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تاحیات مقرر کر دی۔ اور پانچ ہزار روپیہ انعام دیا اور ہر کتاب پر اخراجات طبع دینے کا فرمان صادر کیا تو ان کی مالی تنگی بڑی حد تک دور ہوگئی تھی۔ مگر وہ اظہار شکر گزاری کیلئے نذر پیش کرنے کبھی حضور نظام کے پاس کنگ کوٹھی نہیں گئے۔[له]

له حکیم صاحب کے نامکمل سوانح سے لیا گیا ہے جسکو ان کے فرزند سعد اللہ قادری تصنیف کر رہے تھے۔

حکیم صاحب مسلسل باون ۵۲ سال

مصروفیات: تحقیق و تجسس کے کام میں مصروف رہے[۱] عالمِ شباب میں روزانہ اٹھارہ گھنٹے لکھنے پڑھنے میں منہمک رہا کرتے۔ آخری زمانہ میں بھی روز چودہ گھنٹے کتابوں کا مطالعہ کرکے حاصل مطالعہ ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے[۲]۔

حکیم صاحب بالعموم رات میں دیر سے سوتے اور علی الصباح اُٹھتے، شام میں تین چار گھنٹے تفریح کیلئے باہر جاتے۔ اور گھر واپس آکر پھر لکھنے پڑھنے میں مشغول ہوجاتے۔ حکیم صاحب صبح اٹھتے اور تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ جاتے۔ اور ناشتہ سے پہلے تین چار گھنٹے مطالعہ کرتے یا مقالات لکھا کرتے۔ ان کا ناشتہ

---

[۱] آندھرا نامہ ص ۲۷۶

[۲] یہ معلومات پدم شری سید احمد اللہ قادری سے حاصل ہوئے۔

بہت مختصر وقت میں ہوتا جو پانچ منٹ میں ختم ہوجاتا
پھر اپنا کام شروع کردیتے تھے درمیان میں وہ
اپنی ڈاک بھی دیکھا کرتے، اس کے سوا اخبار "سلطنت"
اور "پیسہ اخبار" کی ڈاک بھی دیکھ کر کلرک کے حوالے
کردیتے تھے۔ دوپہر میں کھانے کے بعد کچھ دیر آرام
کرتے اور پھر حسب معمول کام میں لگ جاتے تھے[1]

ابتدائی زمانہ میں اب سے ساٹھ سال قبل
جب تفریح کیلئے نکلتے تو کتب خانہ آصفیہ جاتے
اور وہاں عبداللہ خاں سے تبادلہ خیال کرتے جو
کتب خانہ آصفیہ کے ایک کمرہ میں رہتے تھے۔
اور کبھی وہاں سے دوست احباب سے ملاقات
کے لئے چار مینار کی طرف آتے جہاں تصدق حسین
صاحب تاج کے والد احمد حسین جعفر علی تاجر کتب

---

[1] آفتاب مورخین علامہ شمس اللہ قادری زندہ ہیں "نشاط چشتی" روزنامہ
سلطنت مدیر سعد اللہ، امداد اللہ شمارہ (۶) ۲۷ / نومبر ۱۹۵۳ء۔

کی دوکان تھی ۔ گلزار حوض کے سامنے ملے گی ہیں حاجی محمد صاحب (پنجابی مولوی) کی قدیم کتابوں کی دکان پر کچھ دیر ٹھہرتے۔ اس کے بعد عبدالرزاق کی شاپ سے ہوتے ہوئے رائے وٹھل رائے اکونٹنٹ جنرل پائیگاہ لطف الدولہ کے گھر (واقع مچھلی کمان) جاتے۔ جو حکیم صاحب کے گہرے دوست تھے۔ اب بھی وٹھل رائے بقید حیات اور ۹۰ سال کے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ حکیم صاحب چار مینار سے سیدھے چوک چلے جاتے جہاں مسجد کے عقب میں چند دکانوں پر پرانی کتابیں فروخت ہوتی تھیں حکیم صاحب چوک کو ایسی صورت میں جاتے جب ان کی جیب میں سو پچاس روپیے ہوتے ان پیسوں سے وہ کتابیں خرید لاتے۔

پروفیسر مولانا عبدالقدیر حسرت مرحوم سے

لہ مسجد چوک کے عقبی حصہ میں ایک بازار ہے جہاں پرانی کتابوں کی کئی دوکانیں ہیں ۔

حکیم صاحب کی بے حد دوستی تھی۔ جو ایک جیّد عالم اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ حکیم صاحب بازار گھانسی میں کبھی اُن کے مکان جاتے۔ وہاں سے حکیم محمود صمدانی کے مطب چیلہ پورہ آتے۔ اور شام کے سات آٹھ بجے تک اپنے گھر واپس ہوجاتے۔ اور شب کے کھانے کے بعد لکھنے کے لئے بیٹھتے تو دو ڈھائی بجے رات تک کام کر کے اُسی جگہ سو جاتے۔

زندہ دلی: حکیم صاحب نہایت ہی زندہ دل تھے[۱]۔ مرنجان مرنج طبیعت پائی تھی۔ خود ہنستے رہتے اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے تھے۔ اپنے ملنے جلنے والوں سے بے حد زندہ دلی سے پیش آتے تھے۔ جب اوروں کو ہنستا کھیلتا دیکھتے تو بہت خوش ہوتے تھے[۱]

---

[۱] آفتاب مورخین علامہ شمس اللہ قادری زندہ ہیں۔ نقاط چشتی روزنامہ سلطنت مدیر سعد اللہ۔ امداد اللہ شمارہ ۳۴ ، ۲۷ نومبر سنہ ۱۹۵۳ء

شگفتگی، زندہ دلی اور خوش مزاجی حکیم شمس اللہ قادری کے مزاج میں فطرت نے کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

تاریخ سے غیر معمولی شغف

شمس اللہ قادری کو تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی تھی، ان کا شمار اپنے زمانے کے چوٹی کے تاریخ دانوں میں ہوتا تھا بقول نواب جیون یار جنگ دکن کی تاریخ حکیم صاحب کے دم سے زندہ ہے۔ اگر یہ مرجائینگے تو اس کا جاننے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔[۱] اس کے علاوہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ "قصۂ چار درویش در اصل ایران کے ایک امیر زادہ مرزا معصوم کی تصنیف ہے۔ امیر خسرو اس قصّہ کو اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے سامنے پڑھا کرتے تھے[۲] اسی سے ان کے عمیق تاریخی

---

[۱] "ہندوستان نے اپنا ایک عظیم المرتبت مورخ کھو دیا" نواب جیون یار جنگ بہادر روزنامہ سلطنت شمارہ (٦) ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء

[۲] روزنامہ سلطنت شمارہ (۲۰) ۴ نومبر ۱۹۵۷ء

شغف، کا اندازہ ہوتا ہے۔

شمس اللہ قادری کی تصانیف ان کی تاریخ دانی کی شاہد ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ شمس اللہ قادری کا پسندیدہ مضمون تھا۔ آپ کی تصانیف "آثار الکرام" "مورخین ہند" "مسکوکات قدیم" اور "تجارت العرب قبل الاسلام" کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ شمس اللہ قادری نے ہندوستان کے مختلف تاریخی ادوار کا بخوبی مطالعہ کر کے نتائج منضبط کئے ہیں۔ یہہ تصانیف شمس اللہ قادری کے وسیع مطالعے اور ان کی قابلِ تحسین تاریخ دانی کی شاہد ہیں۔ چنانچہ نیاز فتحپوری نے کہا تھا "جب تک اللہ ہے اس وقت تک شمس اللہ ہے"[1] اس کا مطلب یہہ تھا کہ شمس اللہ قادری کے

---

[1] ـــ "ہندوستان نے اپنا ایک عظیم المرتبت مورخ کھودیا" نواب جیون یار جنگ بہادر روزنامہ سلطنت شمارہ (۶) ۲۷ نومبر ۱۹۵۳ء۔

علمی کارنامے قیام شمس و قمر تک باقی رہیں گے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے لکھا تھا "ہندوستان میں سب مولفین ہیں لیکن ایک بھی محقق نہیں ہے۔ حکیم صاحب پر علم تحقیق ختم ہو گیا ہے۔"

آثار الکرام

شمس اللہ قادری نے "آثار الکرام" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اس میں مسلمان شاہان ہندوستان کے عہد میں ترقی علوم و فنون سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں شمس اللہ قادری نے سبب تصنیف، ماخذ تصنیف مضامین کی ترتیب و تقسیم اور تاریخ ہندوستان کے ساتھ آل سبکتگین کا تعلق ان سب موضوعات پر مفصل بحث کی ہے۔

آثار الکرام کے پہلے باب میں فرمان روایان دکن کے نام ان کے سنین جلوس، وفات اور مختصر حالات درج ہیں۔ دوسرے باب میں بادشاہوں

کے علم و فضل اور ان کی فیاضی اور علمی قدردانیوں کا حال درج ہے۔ تیسرے باب میں مدارس اور ان کے مدرسین کا حال ہے۔ اس کے بعد ایک فہرست ایسی درج ہے جس سے ممالک محروسہ سرکار دکن کے مدارس اور طلباء کی تعداد اور ان کے سالانہ اخراجات کا حال معلوم ہوتا ہے۔ چوتھے باب میں صیغہ طبابت اور شفاخانوں کا ذکر ہے۔ پانچویں باب میں نہروں تالابوں، حماموں، سراؤں، لنگرخانوں اور خیرات خانوں کا حال لکھا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کتاب ظاہر کرتی ہے کہ دکن کے مسلمان بادشاہ کیسا اچھا علمی مذاق رکھتے تھے اور کارہائے رفاہ عام میں کیسی فراخدلی سے حصہ لیتے تھے۔ آثار الکرام اسم بہ مسمی کتاب ہے اور اس سے بہت سے قابل احترام بزرگوں کے فیض کا پتہ چلتا ہے۔

"آثار الکرام" پر تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ

"اردو" میں لکھا ہے۔

"اس کتاب میں آل سبکتگین کے عہد سلطنت کے علمی کارناموں پر انتہائی قابلیت سے نظر ڈالی گئی ہے۔ مولف ان علمی ترقیوں کی مکمل تاریخ لکھنا چاہتے ہیں جو ہندوستان کے عہد حکومت میں ہوئیں، یہہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ یہہ ارادہ مبارک اور مفید ہے اور پہلی جلد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ مہتم بالشان کام بہت خوبی سے انجام کو پہنچے گا۔ ہمیں امید ہے کہ مولف اپنے تبصرے کو عربی، فارسی اور اردو تک محدود نہ رکھیں گے بلکہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کی علمی ترقی پر بھی

نظر ڈالیں گے"۔[1]

روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ نے آثار الکرام کے متعلق لکھا تھا۔

"مولانا حکیم شمس اللہ قادری، آثار قدیمہ اور تاریخ کے ایک جیّد عالم اور زبردست ماہرِ فن، جن کے مضامین اور مقالات ملک کے ممتاز رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب موصوف نے کئی مفید تالیفات بھی شائع کرائی ہیں جن میں سے ایک آثار الکرام ہے جو شاہانِ دکن کے متعلق ایک مختصر تاریخی کتاب کہی جا سکتی ہے۔ یہہ کتاب ارباب علم کی قدر دانی کے لائق ہے اور اسی قسم کی کتابیں

---

[1] رسالہ اردو آٹھویں جلد ۱۹۲۸ء ص ۶۸۷

ملک کے دوسرے حصوں کی نسبت
تالیف ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہو گئے۔[1]

"مورخین ہند" بن حکیم سید شمس اللہ

مورخین ہند قادری نے سلاطین ہندوستان کی معتبر و مستند کتب تاریخ پر تبصرہ کیا ہے اور ان کے مصنفین کا تذکرہ بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ "مورخین ہند" مطبع نظام دکن میں طبع ہو کر دفتر رسالہ تاریخ سے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب معتمد باب حکومت سرکار عالی (مہدی نواز جنگ سابق گورنر گجرات) کے نام منسوب و معنون کی گئی ہے۔ اس کا پیش لفظ سر احمد حسین نواب امین جنگ بہادر نے لکھا ہے مورخین ہند (۱۳۲) صفحات پر مشتمل ہے اس میں جن تاریخوں پر تبصرہ کیا گیا ہے ان میں

---

[1] لسٹی مونیل حکیم سید شمس اللہ قادری ص ۷

چند کی فہرست درج ذیل ہے۔

ہندوستان کی عام تاریخیں۔ طبقات اکبری، منتخب التواریخ، ذکر الملوک، زبدۃ التواریخ، تاریخ فرشتہ، خلاصۃ التواریخ، مختصر التواریخ۔

ہندوستان کی جغرافیائی تاریخیں۔ چہار گلشن حقیقت ہائے ہندوستان۔

سلاطین دہلی کی تاریخیں۔ تاج المآثر، خزائن الفتوح تاریخ فیروز شاہی، طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ مبارک شاہی، لودھی اور سوری خاندان کی تاریخیں۔ مخزن افغانی، تاریخ داودی، سلاطین تیموری کی تاریخیں۔ تزک بابری، تذکرۃ الواقعات، ہمایوں نامہ، اکبر نامہ، آئین اکبری، سوانح اکبری، توزک جہانگیری، اقبال نامہ جہانگیری، مآثر جہانگیری، بادشاہ نامہ، عمل صالح، شاہ جہاں نامہ، لطائف الاخبار، عالمگیر نامہ، تاریخ آشام، وقائع گولکنڈہ واقعات عالمگیری، مآثر عالمگیری۔

جانشینان اورنگ زیب عالمگیر۔ بہادر شاہ نامہ، تاریخ ارادت خاں، شاہ عالم نامہ، تاریخ شاہ عالم، عبرت نامہ۔
سلاطین تیموریہ کی تمام تاریخیں۔ منتخب اللباب، سیر المتاخرین، تاریخ مظفری، خلاصۃ التواریخ۔
امرائے تیموریہ کے تذکرے۔ مآثر رحیمی، مآثر الامراء، تذکرۃ الامراء۔

سلاطین دہلی کے ہمعصر فرماں رواؤں کی تاریخیں۔
چچ نامہ، تاریخ سندھ، واقعات کشمیر، تاریخ گجرات، مراۃ سکندری، مراۃ احمدی۔
سلاطین بہمنیہ و نظام شاہیہ۔ برہان المآثر۔
سلاطین عادل شاہیہ۔ تذکرۃ الملوک، بساتین السلاطین، حدیقۃ السلاطین۔ سلاطین قطب شاہیہ و شاہان آصفیہ، تاریخ ظفرہ، حدیقۃ العالم، شاہان آصفیہ، گلزار آصفیہ، سوانح دکن، مآثر آصفی، آصف نامہ، نگارستان آصفی۔

وقائع جنگ، بساط الغنائم، عماد السعادت، گل رحمت، گلستان رحمت، ریاض السلاطین، ظفر نامہ، توزک والاجاہی، نشان حیدری، کارنامہ حیدری وغیرہ

کتاب کے آخری صفحات میں ایک حصہ ضمیمہ کے طور پر جوڑا گیا ہے جس میں سلاطین دہلی کی چند تاریخیں شامل ہیں۔ اس کے بعد آخر میں اطراف الاسماء کے نام سے بھی ایک فہرست دی گئی ہے۔

مورخین دکن حکیم سیّد شمس اللہ قادری نے "مورخین ہند" کے علاوہ "مورخین دکن" کے نام سے ایک جامع کتاب لکھی تھی۔ اس کتاب میں آصف جاہی دور کی بعض اہم تاریخوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے مصنفین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حکیم صاحب کی لائبریری اور ادارۂ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ مورخین دکن

(۱۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ جن تاریخوں اور مصنفوں کے بارے میں تبصرہ و تذکرہ کیا گیا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ احوال الخواتین، تصنیف محمدؐ قاسم نظام الملکی، ۲۔ فتوحات آصفی تصنیف سید ابوالفیض دہلوی معنی تخلص ۳۔ نسخہ فتحیہ تصنیف یوسف محمدؐ خاں اعظم شاہی ۴۔ راحت افزاء تصنیف سید محمدؐ علی بن محمدؐ صادق الحسینی البرہانپوری ۵۔ تاریخ ظفرہ تصنیف لالہ گردھاری لال احقر، ۶۔ سوانح دکن تصنیف منعم الدولہ قدرت جنگ خواجہ منعم خاں ہمدانی اورنگ آبادی، ۷۔ مآثر نظامی تصنیف لالہ منسارام آصفجاہی فرزند لالہ بھگوان داس بن بالکشن لاہوری ۸۔ تنمیق شگرف تصنیف لالہ لچھمی نارائن شفیق ولد منسارام ۹۔ مآثر آصفی تصنیف لالہ لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی

۱۰۔ آصف نامہ تصنیف شاہ تجلی حیدرآبادی ۱۱۔ ماہنامہ تصنیف خواجہ غلام حسین خاں جوہر ۱۲۔ نسخہ نصریہ تصنیف محمد نصر اللہ خاں ۱۳۔ حدیقتہ العالم تصنیف سید ابوالقاسم بن رضی الدین الموسوی نواب میر عالم بہادر ۱۴۔ نگارستان آصفی تصنیف سید التفات حسین خان بنارسی ۱۵۔ تذکرہ زمل تصنیف محمد عبدالرزاق بن محمد عبدالنبی ۱۶۔ وقائع یادگار مکھن لال تالیف رائے مکھن لال منشی ۱۷۔ مراۃ الاخبار تصنیف فیض الحق محمد فیض اللہ چشتی المخاطب فضل علی خاں منشی آصف جاہی ۱۸۔ گلزار آصفیہ تصنیف حکیم غلام حسین دہلوی المخاطب بہ خان زماں خاں ۱۹۔ تاریخ آصف جاہی تصنیف محمد قادر خاں بیدری۔

ملیبار۔ حکیم صاحب نے "ملیبار" نامی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں جغرافیائی

کوائف، قدیم تاریخ، اقوام عالم کے تعلقات، مقدس تھوما کا ورود، عربوں کا توطن، اشاعت اسلام کے حالات "ماپلا" کی تحقیق، سیاحوں کے مشاہدات، پرتگیزوں کے اقتدار کی سرگذشت کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ زبانوں کی مستند و معتبر تصنیفات سے اخذ کرکے تالیف کیا گیا ہے۔ "ملیبار" آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ یہہ کتاب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں ۱۹۳۰ء میں طبع ہوئی تھی۔

تجارت العرب قبل الاسلام

شمس المورخین مولانا شمس اللہ قادری نے عربوں کی تجارت سے اس کتاب میں مفصل بحث کی ہے۔ یہہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۰۶ء میں دخانی مطبع خادم التعلیم لاہور میں منشی عبدالعزیز منیجر کے اہتمام سے چھپی تھی۔

اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس میں عربوں کی قدیم تجارت پر تواریخ سے بحث کی گئی ہے. جس میں اس امر کی وضاحت مذکور ہے کہ یہ طریقہ ان میں کب اور کیوں کر رائج ہوا" اور اس کی حالت میں عہد بہ عہد کس طرح انقلابات ہوئے - یہہ لوگ کن کن ممالک میں بغرضِ تجارت آیا جایا کرتے تھے - کونسی تجارت گاہوں تک ان کی رسائی تھی - اس کتاب میں یہہ بھی بتایا گیا ہے کہ عرب کون کونسی دوسری اقوام اور قبائل سے تجارت کرتے تھے اور یہہ کہ عرب کونسی اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے - اردو زبان میں یہہ اولین رسالہ ہے جس میں تفصیل کے ساتھ قدیم عربوں کی تجارت کے بارے میں لکھا گیا ہے.

اس کتاب کے دیباچہ میں شمس اللہ قادری نے لکھا ہے کہ یہہ رسالہ انہوں نے عربی، فارسی، عبرانی، یونانی، فرانسیسی اور انگریزی کتابوں کی بیس

سے زیادہ ضخیم کتابوں سے معلومات فراہم کر کے تصنیف کیا ہے۔

شمس اللہ قادری نے **امرائے پائیگاہ** "امرائے پائیگاہ" کی تاریخ مدون کی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے[1] لیکن کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔ اس کا قلمی نسخہ حکیم صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے سرورق پر لکھا ہے "امرائے پائیگاہ" حصۂ اول نواب محمد ابوالخیر خاں بہادر امام جنگ اور شمس الامراء نواب محمد ابوالفتح خاں بہادر تیغ جنگ۔ نوشتہ حکیم سید شمس اللہ قادری۔

"امرائے پائیگاہ" میں حکیم صاحب نے امرائے پائیگاہ

---

[1] تبصرہ بر نواب لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ از جیون یار جنگ ناظر یار جنگ، اصغر یار جنگ ۱۹۴۰ء ص ۴

کی تاریخ اور امرائے پائیگاہ نواب ابوالخیر خاں بہادر اور ان کے فرزند نواب محمدؐ ابوالفتح خاں بہادر کے سلسلۂ نسب اور ان کے مکمل کارناموں کے بارے میں تفصیلات بتلائی ہیں۔ حکیم صاحب امرائے پائیگاہ کا دوسرا حصّہ بھی مرتب کر رہے تھے۔ اس کے چند اوراق دستیاب ہوئے ہیں۔ ان اوراق میں نواب لطف الدولہ مرحوم کی سوانح اور ان کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔

امرائے پائیگاہ کے چند خاص عنوانات درج ذیل ہیں۔

امرائے پائیگاہ کے اسلاف محمدؐ ابوالخیر خاں بہادر امام جنگ۔ محمدؐ ابوالفتح خاں بہادر شمس الدولہ شمس الملک امیرالامراء۔

محمدؐ ابوالخیر خاں بہادر، امام جنگ اور محمدؐ ابوالفتح خاں بہادر شمس الدولہ شمس الملک امیرالامراء

کے مکمل کارناموں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

امرائے آصفیہ

"امرائے آصفیہ" کے نام سے بھی شمس اللہ قادری نے ایک کتاب لکھی تھی، جس میں نواب رکن الدولہ لشکر خاں حضرت مغفرت مآب نواب نظام الملک آصف جاہ اول اور نواب رفعت الملک اول و ثانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ "امرائے آصفیہ" آصفجاہی امراء کی پہلی کڑی ہے۔ "امرائے آصفیہ" جملہ (۳۶) صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کو مطبع اعظم جاہی برقی واقع حیدرآباد دکن نے ۱۹۳۹ء میں طبع کرواکر شائع کیا۔ اس کتاب کے آخر میں حکیم صاحب نے مصادر (ماخذ) تصانیف کی فہرست بھی دی ہے۔

شجرۂ آصفیہ

شمس اللہ قادری نے "امرائے آصفیہ" کے علاوہ "شجرۂ آصفیہ" کو ایڈٹ کرکے اس پر ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے۔

"شجرۂ آصفیہ" امیر کبیر شمس الامراء محمد فخر الدین خاں بہادر کے چوتھے فرزند نواب معظم الدولہ معظم الملک محمد بدر الدین خاں بہادر رفعت جنگ کی تصنیف ہے۔ جس کو انہوں نے ۱۲۵۲ھ میں لکھا تھا اور منصور جنگ بہادر نے ۱۳۰۱ھ میں اس کا تکملہ لکھا۔ شمس اللہ قادری نے ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا۔ اور رسالہ "تاریخ" کے دفتر سے ۱۹۳۸ء میں شائع کروایا تھا یہ کتاب حکیم صاحب کے کتب خانہ اور اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہے۔

حکیم صاحب نے مقدمہ میں مصنف کے حالات زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے آباؤ اجداد کے حالات زندگی اور کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

حکیم صاحب نے شجرۂ آصفیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"شجرۂ آصفیہ نہایت نادر اور کمیاب کتاب ہے۔ راقم الحروف نے اس کے تین مخطوطے دیکھے ہیں۔"[1]

حکیم صاحب اپنے اس کام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"موجودہ نسخہ اس آخر الذکر مخطوطے پر مبنی ہے اور راقم الحروف نے بغیر کسی تغیر و تبدل یا ترمیم کے نسخہ چھاپ دیا ہے۔ لیکن دوسرے مخطوطوں اور مختلف تاریخوں سے مقابلہ کر کے اغلاط اور اختلافات کی فہرست کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہے اور اس تدبیر سے موجودہ نسخہ کے نقائص رفع ہو گئے ہیں۔"[2]

---

[1] مقدمہ شجرۂ آصفیہ ص ۲

[2] مقدمہ شجرۂ آصفیہ ص ۲

شمس اللہ قادری نے اس کتاب

سید محمد موسوی میں سید محمد والہ کی سوانح لکھے ہیں۔
آصف جاہی دربار کے ممتاز شاعر سید محمدؐ موسوی
ایک فاضل ادیب بھی تھے ان کے حالات زندگی اور
ان کے علمی اور ادبی کارناموں پر اس تصنیف میں
روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب تاج پریس میں چھپکر
شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے آخر میں مآخذ تالیف
کی فہرست دی گئی ہے۔ سید محمدؐ والہ مشہور مثنوی
"طالب و موہنی" کے خالق ہیں۔ والہ کے حالات زندگی
سے اردو دان طبقہ ناواقف تھا۔ شمس اللہ قادری
کی تحقیق سے ان کے حالات زندگی منظر عام پر آئے ہیں۔
والہ نواب مہدی نواز جنگ مرحوم گورنر گجرات
کے جد اعلیٰ تھے۔

حکیم صاحب کے تصانیف دیکھنے سے

نقوش اسلامیہ اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کو

تاریخ کے ساتھ ساتھ قدیم سکّہ جات کی کھوج اور انکے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ حکیم صاحب نے اس موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ انہی میں "نقود اسلامیہ" بھی شامل ہے۔ ابتداء میں یہہ مضمون کی شکل میں چھپا لیکن بعد میں کتابی شکل میں بھی چھپایا گیا۔ مضمون کی شکل میں رسالہ "تاج" میں محفوظ ہے۔

اس میں حکیم صاحب نے تمام شاہان اسلام کے سکّوں کے ہر دو رخ کو پیش کیا ہے اور انکے اوپر جو عبارتیں کندہ ہیں، ان کے بارے میں بھی تفصیل سے بحث کی ہے۔ ابتداء میں شہنشاہ اکبر کے سکّے کے رخ اول اور رخ دوم کی تفصیل بتلاتے ہوئے اس عبارت سے بھی بحث کی ہے جو اس پر کندہ کیجاتی تھی اسی طرح جہانگیر، شاہ جہاں، اورنگ زیب عالمگیر اور سلطان حسین صفوی کے سکون کے بارے میں

بتایا گیا ہے۔

"سکۂ جات شاہان اودھ"

سکۂ جات شاہان اودھ ابتداء میں رسالہ "نقاد" آگرہ بابتہ جولائی ۱۹۱۸ء سنہ میں مضمون کی شکل میں چھپی تھی۔ اس کے بعد شاہ نظام الدین دلگیر نے حور پریس آگرہ میں کتابی شکل میں چھپوایا۔ "سکۂ جات شاہانِ اودھ" شمس اللہ قادری کی لائبریری، اسٹیٹ لائبریری اور ادارۂ ادبیات اردو میں موجود ہے۔

حکیم صاحب نے اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں حکومت شاہان اودھ کی بنیاد پر بحث کرتے ہوئے صوبہ داران کے عنوان سے تمام صوبہ داران کی فہرست دی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی شاہان اودھ کی بھی فہرست دی ہے۔ اودھ کی حکومت کی بنیاد پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اودھ کی مستقل حکومت ۱۸/ ذیحجہ سنہ ۱۲۳۴ھ م ۹/ اکتوبر ۱۸۱۹ء سے

شروع ہوئی اور اسی تاریخ سے شاہان اودھ نے
اپنے نام سے سکے مضروب کرانے شروع کئے تھے۔
حکیم صاحب نے آگے چل کر اس زمانہ کے سکوں کے
اقسام اور چند سکوں کی تفصیل اور ان پہ جو عبارت
کندہ ہے اس کو بتلاتے ہوئے ان کی اہمیت سے
مفصل بحث کی ہے۔ ایک جدول کی شکل میں یہ بتلایا
گیا ہے کہ سونے، چاندی اور تانبے کے سکوں کی تعداد
کونسے بادشاہوں کے دور میں کیا تھی۔ حکیم صاحب نے
شاہان اودھ کے سکوں کے بارے میں معلومات
بہم پہنچائی ہیں کہ کونسے سکے کونسے میوزیم میں اور
کن اشخاص کے پاس موجود ہیں۔

مجموعی طور پر اس کتاب کے دیکھنے سے اودھ
کی حکومت اور شاہان اودھ اور ان کے سکوں کے
بارے میں تفصیلی معلومات فراہم ہوتے ہیں۔

مسکوکات قدیمہ "مسکوکات قدیمہ" ابتداء میں

حیدرآباد دکن کے مشہور رسالہ "تاج" میں قسط واری چھپتی رہی اس کے بعد مرزا صدیق علی بیگ منیجر تاج پریس نے بصورت کتاب، تاج پریس حیدرآباد دکن میں چھپواکر شائع کیا جو شمس اللہ قادری کی لائبریری۔ کتب خانہ آصفیہ اور ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ حکیم صاحب نے اس کتاب میں دکن کے سکّہ جات قدیم کو تاریخ کی روشنی میں لاتے ہوئے بتلایا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے تین چار سو سال پہلے دکن میں سونے چاندی اور تانبے کے سکّے رائج تھے اور ظہور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے اہل دکن سونے کے سکوّں کو "گوٹیکہ" کہا کرتے تھے اور ایک عرصہ کے بعد یہہ نام "گولر وابا" ہوگیا اور اس کا بگڑا ہوا تلفظ کئی صدیوں تک دکن میں مستعمل رہا۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں طلائی سکوّں کا نام "ویرا ہا" ایجاد ہوا اور ویرا ہا کا ایک دوسرا نام

"ہون" ہے۔ یہ نام بارھویں صدی کے بعد استعمال میں آیا۔ اور عہد حکومت اسلامیہ میں ایجاد ہوا۔

"ہون" اور "دیراھا" کے متعلق شمس اللہ قادری لکھتے ہیں:۔

حقیقت میں ہندو ریاستوں کے سکے تھے۔ لیکن بیجاپور اور گولکنڈہ کے مسلمان بادشاہ کے علاوہ پرتگیزوں اور انگریزوں نے بھی اس نام کو اپنے سکوں کے لئے اپنایا۔ آخر زمانے میں میسور کے بادشاہ حیدر علی اور اس کے نامور فرزند ٹیپو سلطان نے بھی "ہون" سکوک کرائے تھے۔ جو سلطانی "ہون" کہلاتے تھے۔

حکیم صاحب نے لکھا ہے۔

"۱۸۱۹ء میں گورنمنٹ انگریزی نے جب تمام ہندوستان میں روپیہ کو سکۂ رائج الوقت قرار دیا تو دیراھا، ہون،

پیگوڈا وغیرہ کا رواج متروک ہوگیا اور
ان کے نام صفحات تاریخ میں باقی رہ گئے۔

حکیم صاحب نے "مسکوکات قدیمہ" میں ان تمام خاندانوں کے اسکوں کی تفصیل بتلائی ہے جو اس زمانے میں حکومت کرتے تھے۔ جن میں بدھ مذہب (بدھوں کے ہون) چلوکیہ خاندان کے ہون نونم یاواڑی ہون گجپتی ہون ملنگاپتی ہون بیجاپور کے ہون گنڈی کونڈ کے ہون۔ درگی ہون (دیوی کانام) ٹراون کور کے ہون (ان کو مہاراجہ ٹراون کور نے مسکوک کرایا تھا) قطب شاہی ہون ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہون، مغلیہ ہون، حیدری ہون اور سلطانی ہون شامل ہیں۔

بشارات احمدیہ

شمس اللہ قادری نے "بشارات احمدیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کو شمس العلماء ڈاکٹر سید علی صاحب

بلگرامی کے نام پر معنون کیا۔ یہہ کتاب ۱۳۲۸ء میں
ابوالافضال محمد حسین بسمل مالک و ایڈیٹر ضیاء الاسلام
نے افضل المطابع مراد آباد سے شائع کی تھی۔

حکیم صاحب نے اس کتاب میں مقدمہ سابقہ
(انجیل) کے ان بے شمار بشارات سے چند صریح
بشارات تحریر کئے ہیں جو رسول کریم کی آمد مبارک کے
متعلق اللہ پاک نے انبیاء علیہم السلام کی معرفت
ارشاد فرمائے ہیں۔ اس تصنیف میں حکیم شمس اللہ
قادری نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو
بشارت کے منکر ہیں۔

حکیم صاحب لکھتے ہیں :-

"اہل اسلام کے بشارات پر اہل کتاب
اعتراضات کرکے یہہ ثابت کرنیکی عبث
کوشش کرتے ہیں کہ وہ بشارات
حضرت رسول کریم کے حق میں نہیں

ہیں بشارات چونکہ معمہ یا چیستان کی
طرح ہوا کرتے ہیں اس لئے ان پر اعتراضات
ممکن ہیں لیکن ہم نہایت دلیری کیساتھ
کہتے ہیں حضرت رسول کریمؐ کی نسبت
جس قدر بشارات ہیں وہ اس قدر
جامع اور واضح ہیں کہ ان پر کسی طرح
کا بھی اعتراض ممکن نہیں اور جو اعتراضات
کئے جاتے ہیں وہ محض نفسیات پر
مبنی ہیں۔"[1]

"جواہر العجائب" فارسی زبان کی
جواہر العجائب شاعرات کا تذکرہ ہے اس کو
مولانا فخری بن امیری ہروی نے سنہ ۹۶۳ھ اور سنہ ۹۶۹ھ
کے درمیان تالیف کیا تھا۔ حکیم سید شمس اللہ قادری نے
اس پر عالمانہ مقدمہ لکھا ہے اور اس کو کتابی شکل میں

---

[1] بشارات احمدیہ صفحہ ۲

چھپوایا یہ کتابی شکل میں دستیاب نہ ہوسکی البتہ رسالہ "اردو" میں موجود ہے[1] مقدمہ کے ختم پر حکیم صاحب نے "جواھر العجائب" کو چند صفحات میں پیش کیا ہے اور اس کے بعد تعلیقات لکھی ہیں جو تقریباً (۲۵) صفحات پر مشتمل ہیں مقدمہ کی ابتداء میں حکیم صاحب نے لکھا ہے :-

"جواھر العجائب ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے زبان فارسی میں شعر کہے ہیں یہ تذکرہ اگرچہ نہایت مختصر ہے۔ لیکن اپنی نوعیت کے لحاظ سے ادب فارسی میں اہمیت خاص رکھتا ہے۔ اس نوعیت کا تذکرہ یا اس کے مثل کوئی اور کتاب جو اس سے پہلے تالیف ہوئی ہمارے ہاتھوں تک

---

[1] رسالہ اردو جلد (۸) ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۸۹

نہیں پہنچی ہے اور نہ ہم نے اس نوعیت
کی کسی تالیف کا تاریخ و تراجم کی
کتابوں میں تذکرہ پڑھا ہے"[1]

حکیم صاحب نے اپنے مقدمہ میں مصنّف کے حالات زندگی، اس کی ہندوستان میں آمد اور "جواہر العجائب" پر بھی ایک محقق کی شان کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی عمادیہ کے علمی تبحر اور ان کے علمی اور تعلیمی کارناموں کے اعتراف میں حکیم صاحب کے لکھے ہوئے مختلف موضوعات پر محققانہ مضامین کا مجموعہ ہے اور اسمیں جو مضامین جمع کئے گئے ہیں ان کا تعلق ایسے مباحث سے ہے جن سے نواب عماد الملک کو دلچسپی تھی یا جن کی تحقیق و تدوین نواب صاحب ممدوح کے

---

[1] رسالہ اردو جلد (۸) ۱۹۲۶ء ص ۳۸۹

پیش نظر رکھی تھی۔ اس مجموعہ کی ابتدا نواب صاحب کے حالات سے کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد مختلف مضامین کو شامل کیا گیا ہے اس کتاب کو حکیم سید شمس اللہ قادری نے دفتر تاریخ حیدرآباد دکن سے طبع کرکے شائع کروایا تھا۔ عمادیہ (۳۰۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی لندن میں لوزک اینڈ کمپنی ایجنٹ تھی اس میں مندرجہ ذیل مضامین شائع کئے گئے ہیں۔

۱۔ یاد نواب عماد الملک از منظومات آقای دانشمند سید محمد علی لاریجانی مولف فرہنگ نظام۔

۲۔ فی مدح عماد الملک از حکیم وحید الدین عالی حیدرآبادی۔

۳۔ کتاب الملوک و اخبار الماضیین از حکیم سید شمس اللہ قادری۔

۴۔ شیخ شہاب الدین السہروردی از حکیم

سیّد شمس اللہ قادری

۵۔ مآثر شاہی از حکیم سیّد شمس اللہ قادری۔

۶۔ مخطوطات تاریخی از حکیم سید شمس اللہ قادری

"پرتگیزان مالابار" شیخ زین الدین

پرتگیزان مالابار المعبری الموجود فی ۹۹۱ھ کی "تحفت المجاہدین فی بعض اخبار البرتگالین" کا ترجمہ ہے۔ یہہ کتاب ۱۹۳۶ء میں مطبع احمدیہ حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی۔ پرتگیزان مالابار (۲۴) صفحات پر مشتمل ہے۔

شمس اللہ قادری نے ۱۹۰۸ء

محبوب الآثار میں حیدرآباد کے آثار قدیمہ پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور "محبوب الآثار" کے نام سے اسے موسوم کیا تھا۔ اس کتاب کا مسودہ دستیاب نہ ہو سکا مرجان مارشل نے اس کتاب کی بابت لکھا ہے۔

"حیدرآباد کے ایک مسلمان جنٹلمین نے
جن کا نام حکیم سید شمس اللہ قادری
ہے حیدرآباد کے عمارات تاریخی پر
اردو میں ایک کتاب لکھی ہے اور
اس کا نام "محبوب الآثار" رکھا ہے.
اس کتاب کی طرز و ترتیب
سرسید احمد خاں کی آثار الصنادید
کے مماثل ہے ڈاکٹر ہاروٹس نے
اس کا مسودہ دیکھا ہے۔ اور اس کے
مفید و کارآمد ہونے کی نسبت بہترین
الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے"[1]

شمس اللہ قادری نے ۱۹۲۵ء

دیباچہ شاہ نامہ قدیم میں شاہنامہ کی تاریخ تالیف

---

[1] مراسلہ محکمہ آثار قدیمہ عہد ہند متعلقہ صوبہ جات شمالی نشان (۳۹) مورخہ یکم مئی ۱۹۱۲ء لسٹی موزئیل حکیم سید شمس اللہ قادری مس

اور اس کے ماخذات کی نسبت بعض باتیں بطور خاص تحقیق کی ہیں اور متقدمین کے معلومات کے خلاف ایک جدید نظریہ قائم کیا ہے۔ اور اس کی بنیاد شاہنامہ کے دیباچہ قدیم پر رکھی ہے جس سے اہل ہند ابتک ناواقف تھے اس ضمن میں ان تمام شاہناموں پر روشنی ڈالی ہے جو فردوسی سے پہلے فارسی میں لکھے گئے تھے۔ اور اس کے ساتھ دیباچہ قدیم کو بھی مہیا کر کے شائع کر دیا ہے اس سے نہ صرف شاہنامہ کے عہد تصنیف اور ماخذات پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ یہہ نثر فارسی کا ایک قدیم ترین نمونہ ہے۔ یہہ دیباچہ رسالہ اردو جلد ہشتم ۱۹۲۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

کتاب الملوک و اخبار الماضیین

حکیم شمس اللہ قادری نے "کتاب الملوک و اخبار الماضیین" کا مقدمہ لکھا تھا

اور یہہ کتاب رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری اور نواب جیون یار جنگ بہادر کی دلچسپی کے باعث اشاعت میں آئی ۔ اس کتاب کا مخطوطہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ سوائے اس کے اس کتاب کا دوسرا نسخہ موجود نہیں ہے ۔

مقدمہ میں شمس اللہ قادری نے اس کتاب کے مصنف عبید بن شریۃ الجرہمی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہہ دنیائے اسلام کی پہلی تصنیف ہے ۔ یہہ مقدمہ "عمادیہ" میں شائع ہوچکا ہے ۔

اس کے علاوہ حکیم سید شمس اللہ قادری کے اور تصانیف کا بھی پتہ چلا ہے جو دستیاب نہ ہوسکیں ۔

۱ ۔ تاریخ ترقی و علوم و فنون بزمانہ مسلمانان ہندوستان ۔

۲- تذکرۂ فردوسی طوسی

۳- مراۃ العجم (ایران قدیم و جدید)

۴- رود نیل

۵- سلاطین مصر (سلسلۂ تاریخ دکن)

۶- الجواھر الفرید

سماجی خدمات شمس اللہ قادری کی ساری زندگی ایثار اور علمی و سماجی خدمات میں بسر ہوئی، انہوں نے ملک و قوم کیلئے جو سماجی کام کئے ہیں وہ ان کی یادگار بن کر ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت کو باقی رکھیں گے۔

نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ شمس اللہ قادری نے نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ کی بنیاد ڈالی تھی۔ شمس اللہ قادری نے نواب لطف الدولہ کی وفات کے بعد انکی یاد

تازہ رکھنے کیلئے ایک کمیٹی ۱۹۳۸ء میں تشکیل دی تاکہ اس طرح صدیوں تک اس خاندان کا نام دنیا فراموش نہ کرسکے اس کمیٹی کے زیر انتظام اسلامی ادبیات کی بہترین کتابیں شائع کیجاتی تھیں۔ اس طرح ۱۹۴۰ء میں حکیم صاحب کے مشورے سے "نواب لطف الدولہ میموریل کمیٹی" کا نام بدل کر "نواب لطف الدولہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" رکھا گیا۔

اس انسٹیٹوٹ میں سب سے پہلے "شجرۂ آصفیہ" شائع ہوئی اس کے علاوہ اس انسٹیٹوٹ نے بے شمار کتابیں شائع کیں۔ حکیم صاحب کی کتابیں "نواب سید لشکر خاں" "امرائے پائیگاہ" اور "قاموس الاعلام" اسی انسٹی ٹیوٹ سے شائع ہوئیں۔

سر احمد حسین نواب امین جنگ بہادر نے اس انسٹیٹوٹ کی تہذیبی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ادبی کارناموں اور تحقیق سے متعلق اسکی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا تھا۔

"اسلامی علوم و فنون اور اس کے ادبیات
علی الخصوص "تاریخ دکن" کی تحقیقات
کے لئے ایسا کوئی انسٹیٹوٹ موجود
نہ تھا۔ اس کمی کو میرے فاضل دوست
مشہور مورخ ماہر آثار قدیمہ مولوی
حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے
نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ
انسٹی ٹیوٹ قائم کر کے پورا کر دیا ہے" [۱]

کتب خانہ حکیم شمس اللہ قادری نے زبان اردو
کے لئے ایک اور عظیم یادگار اپنا
لاجواب کتب خانہ چھوڑا ہے۔ حکیم صاحب کا واحد
مرغوب مشغلہ کتابوں کو فراہم کرنا تھا۔ وہ قیمتی
سے قیمتی کتابیں انتہائی غربت کے باوجود خریدا
کرتے تھے اکثر اوقات بھوکے رہ کر اپنے اس

---

[۱] تبصرہ بر نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ ص ۱۵

ذوق کی تکمیل کرتے تھے۔" اپنی آمدنی کا بڑا حصّہ کتابیں خریدنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ جو کتابیں خریدی نہیں جاسکتی تھیں ان کے قلمی نسخہ تیار کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے کتب خانہ میں راقم الحروف نے ایسے کئی قلمی نسخے دیکھے ہیں جو حکیم صاحب کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے کتب خانہ میں اردو کی کئی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں۔ اردو زبان میں ایسی ضخیم کتابیں موجود ہیں جن کا ملنا دشوار ہے۔ اردو زبان کے ممتاز رسائل کی ایک الماری بھری رکھی ہے۔ جن سے تحقیقی کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اور بہت زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ حکیم صاحب کے کتب خانہ میں تقریباً دس ہزار کتابیں موجود ہیں اور ایک لاتیے میز پر حکیم صاحب کی غیر مطبوعہ تصانیف اور مخطوطات

کافی تعداد میں رکھے ہوئے ہیں۔

حکیم صاحب نے زندگی ہی میں اپنا کتب خانہ "لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ" کے لئے محفوظ کر دیا تھا اور کئی طلباء اور محقق اس سے استفادہ کرتے رہے۔ اب یہہ کتب خانہ حکیم صاحب کے گھر میں موجود ہے اور اب بھی طلباء اور محققین یہاں آکر کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

ہندوستان اور بیرون ممالک کے بڑے بڑے لوگوں نے اس کتب خانہ کو دیکھا ہے۔ مسٹر لال بہادر شاستری مرحوم وزیر اعظم ہندوستان بھی ۱۹۶۵ء میں اس کتب خانہ کو تشریف لائے تھے۔

آنریبل نواب مرزا یار جنگ بہادر (پریسیڈنٹ جوڈیشل کمیٹی) نے کتب خانہ کے بارے میں لکھا تھا۔

"جو قوم اپنی تہذیب و تمدن کے
قائم رکھنے کی کوشش نہیں کرتی

اس کی بابت یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ اُن کی
قومی زندگی کے دن بہت کم رہ گئے
ہیں، مسلمانوں میں مبارک ہیں وہ
ہستیاں جن کو اس میں انہماک ہے.
علامہ حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب
اُن ہستیوں میں ایک نمایاں ہستی
ہیں۔ اُن کے کتب خانہ کو میں نے
دیکھا اُن مضامین کے مسودوں
پر جن میں یہہ مصروف ہیں ایک
نگاہ ڈالی۔ جو خیالات انہوں نے
ظاہر فرمائے اُن پر غور کیا۔ ان میں
اسلامی حمیت و جوش ہے۔ ان کے
خیالات بہت شستہ و پاکیزہ معلوم
ہوئے۔ ان کی کتابوں کا ذخیرہ
نایاب ہے۔ میں اُن کا شکریہ

ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنا
کتب خانہ لطف الدولہ ریسرچ انسٹیٹوٹ
کے متعلق جو کام ہورہا ہے اس میں
رکھوا دیا ہے۔ حکیم صاحب نے اپنی
تحقیقات کے بعض نمونے دکھلائے
تاریخ کے میدان میں یہ ایک ٹھوس
کام کررہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی
ہمدردی و امداد سرکار عالی کی سرپرستی
کے مستحق ہیں۔ جس کام کیلئے سرکار عالی
کو بہت کچھ صرف کرنا پڑتا وہ مقابلتاً
بہت کم صرفہ سے انجام دے رہے ہیں۔
(۲۵/ اگست سنہ ۱۹۴۰ء)[1]

محکمہ آثار قدیمہ[2]
حکیم صاحب کا نام جدید حیدرآباد
کے معماروں کی فہرست میں بھی

---

[1] تبصرہ بر نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ صـــــ ۹۶

لکھا جاسکتا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام میں بھی ان سے مشورے لئے گئے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر الماالطیفی کو جو اس وقت ناظم تعلیم تھے۔ حکیم صاحب نے یونیورسٹی کا ایک خاکہ تیار کر کے دیا تھا۔ [۱]

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حیدرآباد میں آثار قدیمہ کی تحقیقات میں نمایاں حصہ لیا۔ ڈاکٹر ٹہ گیل کی دلچسپی نے جو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے کارگذار صدر ناظم تھے۔ آپ کے تاریخی ذوق کو اور ہوا دی۔ چنانچہ آپ نے آرکیالوجی سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ اسوقت کے رزیڈنٹ مسٹر فریزر نے آپ کے کام سے بڑی دلچسپی لی اور ان کی خدمات کو بہت سراہا۔ حکیم صاحب کی کوشش اور مسٹر فریزر کی تائید نے حکومت حیدرآباد کو محکمہ آثار قدیمہ کے قیام کی طرف متوجہ کیا اور

---

[۱] آندھرا نامہ صد ۲۷۳

۱۹۱۴ء میں محکمہ آثار قدیمہ قائم ہوگیا۔ حکیم صاحب نے محکمہ آثار قدیمہ کے تحت مختلف مقامات کا سفر کیا اور بڑی عرق ریزی سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ محکمہ آثار قدیمہ کے تحت ہی آپ نے قدیم سکہ جات کی تلاش کی اور اس موضوع پر بہت سے پُرمغز مضامین بھی لکھے۔

غیر مطبوعہ تصانیف

غیر مطبوعہ تصانیف حکیم سید شمس اللہ قادری نے بہت سی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ایسی تصانیف بھی ہیں جو ان کی زندگی میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی تھیں، کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حکیم صاحب کے انتقال کے وقت جو کتابیں زیر تالیف تھیں ان میں سے چند شائع ہوئیں اور بہت ساری غیر مطبوعہ تصانیف تلف ہوگئیں لیکن جو باقی رہ گئی ہیں، شمس اللہ قادری کی لائبریری میں ایک بڑے میز پر اشاعت کے انتظار میں رکھی ہوئی ہیں۔ اسی میز پر ایک مخطوطہ رکھا ہوا ہے جس کا عنوان ہے۔

"حضرت محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی"

حضرت ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی حکیم سید شمس اللہ قادری نے رئیس المجتہدین "ملا باقر بن ملا محمد تقی مجلسی" کے سوانح اور ان کے

علمی کارناموں پر ایک کتاب لکھی ہے جو کل سینتالیس ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر لکھا ہے "حضرت ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی" تالیف حکیم سید شمس اللہ قادری۔

حکیم صاحب نے "حضرت ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی" کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے

"ملا باقر گیارہویں صدی ہجری کے اجلہ مجتہدین سے ہیں۔ علمائے شیعہ نے ان کو "رئیس المجتہدین" کے لقب سے یاد کیا ہے"۔ ؎

اس کتاب میں جملہ (۱۵) باب ہیں حکیم صاحب نے پہلے باب میں ملا محمد باقر کے حالات زندگی اور سوانح لکھی ہے۔ اور ملا محمد باقر کے حالات کو یکجا کرنے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی

؎ ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی صـ۱

تفصیلی فہرست بھی دی ہے جن میں "قصص الخاقانی"
"ریاض العلماء" "تذکرۃ الاحوال" (تذکرہ) لولوۃ البحرین
(تذکرہ) "مراۃ الاحوال" (تاریخی کتاب) شامل ہیں۔
اس کے علاوہ حکیم صاحب نے ان تمام تذکروں کا
تفصیل سے ذکر کیا ہے جن سے مدد لی گئی ہے۔

دوسرا باب "آبا و اجداد۔ عزیز و اقارب"
ہے اس باب میں ملا محمدؐ باقر کے آبا و اجداد

. . . .

. . اور عزیز و اقارب اور ان کے علمی
کارناموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تیسرے باب کا عنوان "تحصیل علم اور
اساتذہ" ہے۔ اس باب میں ان تمام ارباب
فضل و کمال اور بعض مشاہیر اساتذہ کا تذکرہ کیا
ہے جن سے ملا محمدؐ باقر نے استفادہ کیا تھا۔

چوتھے باب میں ملا صاحب کے زمانے کے

تمام بادشاہوں اور اہل دول کا ذکر ہے۔ ایک جگہ حکیم صاحب نے شیخ یوسف بحرانی مولوۃ البحرین کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"ملا صاحب سلطان حسین (۱۱۰۵ء۔ ۱۱۳۵ھ) کے زمانے میں دارالسلطنت اصفہان کے شیخ الاسلام' دین و دنیا کی ریاست کے رئیس جمعہ اور جماعت کے امام تھے۔ سلطان حسین اگرچہ بے وقوف اور کم تدبیر بادشاہ تھا لیکن ملا صاحب کے حُسنِ تدبیر اور اثر و اقتدار کے باعث سلطنت خطرات سے محفوظ و مامون رہی۔ جب ملّا صاحب نے انتقال فرمایا تو ملک کے اطراف و جوانب میں انقراض شروع ہوگیا۔ ہر طرف فتنہ و فساد

ہونے لگا۔ ملک میں ابتری پھیل گئی۔
یہاں تک کہ بادشاہ کے ہاتھ سے
حکومت جاتی رہی[1]۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمس المورخین علامہ شمس اللہ قادری جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تو تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھکر تاریخی واقعات کے مختلف گوشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے نتائج استنباط کیا کرتے تھے۔

پانچواں باب "وفات" کے عنوان سے مزین کیا گیا ہے۔ اس باب میں حکیم صاحب نے ان تمام مصنفوں پر اعتراض کیا ہے جنہوں نے اپنی تصانیف میں ملا صاحب کی وفات کے بارے میں مختلف سنہ قرار دیئے ہیں۔ حکیم صاحب نے ان تمام سنین سے مفصل بحث کرتے ہوئے مختلف سنہ و

---

[1] حضرت ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی ص ۱۷

تواریخ اور مذہبی کتابوں کے حوالے سے یہہ ثابت کیا ہے کہ ملا صاحب کا انتقال ۱۱۱۱ھ میں ہوا تھا۔ ملا صاحب کے مزار کے بارے میں بھی علماء میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس سے بحث کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

"اصفہان میں جامع عتیق سے جانب
شمال مغرب ملا صاحب کا مزار
موجود ہے" [1]

چھٹا باب۔ "اولاد و احفاد" ہے، حکیم صاحب نے اس باب میں "ملا محمدؐ باقر بن ملا محمد تقی مجلسیؒ کی اولاد کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے ان کے علمی کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

ساتواں باب "تلامذہ" ہے جس میں حکیم صاحب ملا صاحب کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے

---

[1] حضرت ملا محمدؐ باقر بن ملا محمدؐ تقی مجلسی ص ۲۳

ان کے شاگردوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"ملا صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہزار سے زیادہ تھی۔ اور اس زمانے کے بڑے بڑے فضلا و مجتہدین ملا صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے"[1]

حکیم صاحب نے اس باب میں ان کے خاص شاگردوں کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے۔

آٹھواں باب "فضل و کمال"۔ حکیم صاحب نے اس باب میں زمانے کے تمام علماء اور مورخین کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد باقر مجلسی کے علمی تبحر کے بارے میں ان کی رائے بھی دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہمعصر علماء کی نظر میں ان کی کتنی قدر و منزلت تھی اور کس طرح ان علمائے نے

---

1. حضرت ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی ص ۲۶

ان کی دینی خدمات کا شاندار الفاظ میں اعتراف ہے۔

نواں باب۔ اس باب میں "ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی" کی تمام تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دسواں باب۔ اس باب میں "ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی" کی اہم تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جن میں "بحار الانوار" "حیواۃ القلوب" "جِلاء العیون" "حُلیتہ المتقین" "زاد المعاد" اور "عین الحیواۃ" وغیرہ شامل ہیں۔

اس کتاب کے آخری صفحات میں حکیم صاحب نے مصادر کی فہرست دی ہے اور آخر میں ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی مجلسی کا شجرہ بھی دے دیا ہے۔

ہندو دکن "ہندو دکن" کے نام سے حکیم سید شمس اللہ قادری نے ایک مضمون لکھا تھا جو (۳۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مخطوطہ شمس اللہ قادری کی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کو

کتابی شکل میں شائع کیا جا سکتا ہے۔

اس مضمون میں حکیم صاحب نے ہندوستان کے شمالی اور جنوبی حصے کے تاریخی حالات سے مفصل بحث کی ہے۔ اور جغرافیائی حالات پر عالمانہ شان سے روشنی ڈالی ہے۔

ہندوستان اور اس کے شمالی و جنوبی حصہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :-

"ہندوستان جسے بھارت ورش بھی کہتے ہیں۔ اپنے کوائف ارضی اور خصائص طبعی کے لحاظ سے قدرتی طور پر شمالاً جنوباً دو حصوں میں منقسم ہوگیا ہے۔ شمالی حصہ کوہستان ہمالیہ اور وندھیاچل کے مابین واقع ہے جنوبی حصہ وندھیاچل کے نیچے دو سمندروں کے بیچ راس کماری تک

چلا گیا ہے۔ وندھیا ان دونوں
حصوں کی حد فاصل ہے۔ اس نے
ان دونوں کو ایک دوسرے سے
ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا ہے۔ ان
دونوں خطوں میں نہ صرف آب و ہوا
کا اختلاف ہے بلکہ یہاں کے باشندوں
کے رسم و رواج اور عادات و اطوار
بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں
بنگالہ جو وندھیا کے شرق میں ہے
اور گجرات جو مغرب میں ہے ان
دونوں کو نہ تو شمالی حصہ سے تعلق
ہے اور نہ جنوبی حصے سے بلکہ یہ ہم
دونوں خطے دو علحدہ حصوں کی حیثیت
رکھتے ہیں [1]۔

---

[1] ہند و دکن ص ۱

حکیم صاحب نے اس مضمون میں مختلف چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کئے ہیں اور ہر ایک عنوان سے تفصیلی بحث کی ہے۔ ہمالیہ سے نکلنے والے دریاؤں کی تفصیل بتلائی ہے اور ہمالیہ کے جنوبی حصے میں جتنے خطے ہیں ان کے مختلف عنوانات کے تحت تفصیل بتلائی گئی ہے۔ ہمالیہ کے شمالی خطے تبت اور دوسری پہاڑی چوٹیوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد ان راستوں کی قدرتی اور تجارتی اہمیت بتائی ہے جن کے ذریعہ سے ہندوستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے بتلایا ہے کہ ان راستوں میں مغربی راستہ بہت آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ اس راستہ سے آنے والی قوم آریا اور اس کے حکمرانوں کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

حکیم صاحب نے شمالی حصہ کی تفصیل ختم

کرنے کے بعد جنوبی حصہ کے بارے میں "ملک دکن" یا جنوبی حصہ کے عنوان سے بحث کی ہے۔ ابتداء میں دکن کے حدودِ اربعہ بتائے گئے ہیں اور مشرقی گھاٹ کی تفصیل دی گئی ہے۔

"دکن کے دریا" اس عنوان کے تحت دکن کے مختلف دریاؤں کے بارے میں مفصل بحث کیگئی ہے۔

"دکن کی مختلف حصوں میں تقسیم" اس عنوان کے تحت دکنی زبان واری تقسیم پر بحث کی ہے اور پانچ زبانوں کے نام گنوائے ہیں۔ جن میں اوریا مرہٹی تلنگی کنڑی اور ٹامل شامل ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی زبانوں کے بھی نام گنوائے ہیں۔ جن میں تولو، ملیالم وغیرہ شامل ہیں۔

دکنی سواحل پر مفصل بحث کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ دکن کے ساحل چھ حصوں میں منقسم ہیں اور ہر ایک حصہ خاص نام سے موسوم ہے۔ دکن کی

انتہا راسی کماری پر ہوئی ہے۔ مختصر یہہ کہ اس مخطوطہ سے حکیم شمس اللہ قادری کے وسیع معلومات اور علم جغرافیہ پر ان کے عبور کا اظہار ہوتا ہے۔

شعرائے اردو کے تذکرے: حکیم سید شمس اللہ قادری نے "شعرائے اردو" کے تذکرے" کے عنوان سے بھی ایک مقالہ لکھا تھا یہہ تذکرہ راقم الحروف کو ان کی لائبریری میں تحقیق کے دوران دستیاب ہوا ہے۔

حکیم صاحب نے ابتداء سے شعرائے اردو کے جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ہیں ان کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان میں بعض تذکرے چھپ چکے ہیں اور بعض کے مخطوطے بڑے بڑے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ شعرائے اردو کے ابتدائی تذکروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شعرائے اردو کے تذکرے بالعموم

بارھویں صدی ہجری کے اوسط ایام
سے منضبط ہونا شروع ہوئے ہیں۔
مشہور شاعر اور مسلم الثبوت استاد
میر تقی میر کا تذکرہ "نکات الشعرا"
جو ۱۱۶۵ھ میں تصنیف ہوا ہے،
سالہا سال سے اردو شعراء کا سب سے
پہلا تذکرہ سمجھا گیا ہے۔ لیکن حال
ہیں میر فتح علی گردیزی کے "تذکرہ
ریختہ گویان" اور خواجہ خاں حمید
کے "گلشن گفتار" کی اشاعت
سے جو اسی سنہ میں تصنیف ہوئے
ہیں، نکات الشعراء کی اولیت معرض
بحث میں پڑ گئی ہے"[1]

حکیم صاحب نے تذکروں کو دو حصوں میں

---

[1] شعرائے اردو کے تذکرے ص۱

تقسیم کیا ہے (۱) عام تذکرے اور (۲) خاص تذکرے۔
اس تقسیم کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"عام تذکرے وہ ہیں جن میں مصنفین
نے ابتداء سے اپنے عہد تک شعراء
کے حالات جمع کئے ہیں"[۱]

حکیم صاحب نے عام تذکروں کی ترتیب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن میں سے ایک میں شعراء کے نام عہد وار جمع ہیں اور دوسرا جن میں شعراء کے ناموں کی ترتیب حروف تہجی پر مبنی ہے۔

حکیم صاحب نے خاص تذکروں کے بارے میں بتایا ہے کہ خاص تذکرے تین حالتوں سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ وہ تذکرے جن میں کسی خاص رنگ کے شعراء سے بحث ہے۔

---

[۱] شعراء اردو کے تذکرے ص۱

۲۔ وہ تذکرے جن میں کسی خاص صنف کے شعراء کے احوال ہیں۔

۳۔ وہ تذکرے جو کسی خاص ملک یا شہر کے شعراء سے متعلق ہیں۔

حکیم صاحب نے اپنی اس تصنیف میں تذکروں کی فہرست تاریخی اعتبار سے عہدوار مرتب کی ہے۔

تذکروں کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"شعرائے اردو کے تمام تذکروں میں سوانحی معلومات بہت کم ہیں۔ یہاں تک کہ سکونت کے مقام، اساتذہ کے نام، اور وفات کی تاریخیں جو نہایت ضروری ہیں شاذ و نادر کہیں کہیں ملتی ہیں۔ برخلاف اس کے نمونۂ کلام کئی کئی صفحوں پر پھیلا ہوا

نظر آتا ہے۔ تاہم اساتذہ کے لکھے ہوئے تذکروں میں ان کی تنقیدیں، آراء اور کلام کا انتخاب بلاشبہ ادب عالیہ کے لئے قابل قدر ذخیرہ ہے۔ اور شعراء کی تاریخ میں اس کی ترتیب و تدوین کے وقت اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔[1]

حکیم صاحب نے جن تذکروں کا اپنے مخطوطے میں ذکر کیا ہے۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ "نکات الشعراء" ۲۔ "گلشن گفتار ۳۔" تذکرہ ریختہ گویان" ۴۔ "ریاض حسینی" ۵۔ "مخزن نکات" ۶۔ "چمنستان شعراء" ۷۔ "طبقات الشعراء" ۸۔ "تذکرہ شعرائے اردو" ۹۔ "تذکرہ شعرائے اردو ۱۰۔ "گل عجائب" (اسد علی خاں اورنگ آبادی) ۱۱۔ "تذکرہ شعرائے ریختہ"

---

[1] شعرائے اردو کے تذکرے صد۳

(امیر محمد علی ترمذی) ۱۲۔ "گلزار ابراہیم (امین الدولہ نواب علی ابراہیم خاں بہادر نصیر جنگ)" ۱۳۔ "مسرت افزا" (ابوالحسن امیر الدین احمد الہ آبادی) ۱۴۔ "تذکرہ ہندی گویان" (غلام ہمدانی مصحفی) ۱۵۔ "گلشن ہند" مرزا لطف علی" ۱۶۔ "مجموعہ الانتخاب" (میر کمال الدین حسین مانک پوری) ۱۷۔ "ریاض الفصحاء" (غلام ہمدانی مصحفی) ۱۸۔ "مجموعہ نغز" (حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ قاسم) ۱۹۔ "طبقات سخن" (غلام محی الدین قریشی عشق) ۲۰۔ "عمدہ منتخبہ" (اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور) ۲۱۔ "عیار الشعراء" (منشی خوب چند ذُکا) ۲۲۔ "گلستان سخن" (مرزا کاظم نواب مردان علیخان مبتلا) ۲۳۔ "گلشن بیخار" (نواب محمد مصطفٰے خاں شیفتہ) ۲۴۔ "طبقات الشعراء" ۲۵۔ "تذکرہ شعرائے ہند" (منشی کریم الدین) ۲۶۔ "گلستان بیخزاں" (حکیم قطب الدین باطن) ۲۷۔ "تذکرہ شعرائے ریختہ" (شرف الدین احمد) ۲۸۔ "تذکرہ ناصر"

(سعادت خاں ناصر) ۲۸- "مخزن شعراء" (قاضی نورالدین حسین خاں فایق) ۲۹- "گلستانِ سخن" (شہزادہ قادر بخش صابر) ۳۰- "ہمیشہ بہار" (ڈپٹی نصر اللہ خاں خورجوی) ۳۱- "سراپا سخن" (سیّد محسن علی محسن) ۳۲- "سخنِ شعراء" (محمد عبد الغفور خاں نساخ) ۳۳- "انتخاب یادگار" (امیر احمد امیر مینائی) ۳۴- "آب حیات" (شمس العلماء مولوی محمد حسین دہلوی آزاد) ۳۵- "بزم سخن" (نواب سید علی حسن خاں) ۳۶- "طور کلیم" (نواب سید نور الحسن خاں) ۳۷- "گلشن ناز" (منشی درگاہ پرشاد دہلوی نادر) ۳۸- "بہارستانِ ناز" (محمد فصیح الدین انجم) ۳۹- "جلوہ خضر" (سیّد فرزند احمد سفیر بلگرامی) ۴۰- "آثار شعرائے ہنود" (رائے دیبی پرشاد مورخ) ۴۱- "شمیم سخن" (عبدالحی لکھنوی) ۴۲- "محبوب الزمن" (محمد عبد الجبار خاں) ۴۳- "خمخانۂ جاوید" (لالہ سری رام ایم۔ اے)

۴۴۔ "گل رعنا" (حکیم سیّد عبدالحی) ۴۶۔ "شعرالہند" (سیّد عبدالسلام ندوی) ۴۷۔ "جوہر سخن" (محمد امین کیفی) ۴۸۔ "بہارستان سخن" (بابو شیام سندر لال صاحب ایڈوکیٹ)

اس کے علاوہ حکیم صاحب نے اردو کی ابتدا اور نظم و نثر کے آغاز سے بھی بحث کی ہے اور مندرجہ ذیل تصانیف پر بھی محققانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

١۔ گارسن ڈی ٹاسی کی تصنیف "تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی"

٢۔ سرچارلس لائل کی تصنیف "ہندوستانی لٹریچر"

٣۔ سید علی حیدر طبا طبائی کی تصنیف "مٹیا برج کے سبعہ سیارے واجد علی بادشاہ اودھ کے درباری شعراء۔

۴۔ بلوم ہارٹ کی تصنیف "فہرست ہندوستانی مخطوطات کتب خانہ انڈیا آفس لندن" "فہرست ہندی"

۵۔ صدر یار جنگ بہادر محمد حبیب الرحمن خان شروانی "زبان اردو"

۶۔ حکیم سید شمس اللہ قادری "اردوئے قدیم" "ادبیات اردو" کی ابتدائی تاریخ "اردو مخطوطات"

۷۔ عبدالحق بی۔ اے "کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ" "اہل یورپ نے اردو کی کیا خدمت کی" "سب رس" "میران جی شمس العشاق" "شاہ برہان الدین جانم" "شاہ امین الدین اعلیٰ" اردو نثر کی ایک بہت قدیم کتاب یعنی ترجمہ شرح تمہیدات عین القضات" "شاہ علی محمد جیو گام دھنی" "شیخ محبوب چشتی" "حسن شوقی" "حیدر آباد کا ایک شاعر خاندان" "ملا نصرتی" "ولی کے سنہ وفات کی تحقیق" "اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام" "مجموعہ تحقیقات علمیہ، جامعہ عثمانیہ" "زبان اردو" "عربی ترجمہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ"

"اردو ترجمہ کارواں لاہور"۔

۸۔ حافظ محمود شیرانی: "پنجاب میں اردو" آٹھویں اور نویں صدی کی فارسی تصنیفات سے اردو زبان کے وجود کا ثبوت" "اردو زبان اور اس کے مختلف نام" "اردو کے فقرے اور دوہے" "گجری یا گجراتی" "اردو مغلوں کے دربار میں" اور اردو کی شاخ ہریانی زبان"۔

۹۔ سید سلیمان ندوی "اردو کیوں کر پیدا ہوئی"

۱۰۔ نصیر الدین ہاشمی "دکن میں اردو" "یورپ میں دکنی مخطوطات"۔

۱۱۔ شیخ چاند ایم۔ اے "اورنگ آباد اور اردو شعراء"

۱۲۔ محمد محفوظ الحق ایم۔ اے "اردو کے یورپین شعراء"

۱۳۔ محمد سردار علی "یورپین شعرائے اردو"۔

۱۴۔ سیّد محی الدین قادری زور "اردو شہ پارے"
"اردو کے اسلوب بیان"
۱۵۔ رام بابو سکسینہ "تاریخ ادبیات اردو"
۱۶۔ گریہم بیلی " اردو لٹریچر"
۱۷۔ افتخار احمد خلیلی "شعرائے برہان پور"
۱۸۔ مرزا فدا علی خنجر "اردو زبان کے ان پڑھ شاعر"

آخر میں حکیم صاحب نے "الاسماء الکتب" کے عنوان سے تمام ماخذوں کی فہرست بھی دی ہے۔

گاؤکشی ہندوستان

گائے اور پیغمبر اسلام: میں ایک عرصہ سے مذہبی اور سماجی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اسلام کے بانی نے گائے کا گوشت کھانے اور گائے کو ذبح کرنے کو پسند نہیں فرمایا تھا۔

شمس اللہ قادری نے گائے اور پیغمبر اسلام

کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ یہ مضمون بھی ان کی لائبریری میں چھان بین کے دوران فائیلوں میں دستیاب ہوا ہے۔ اس مضمون میں حکیم صاحب نے گائے کے متعلق حضور اکرمؐ کے ارشادات بیان کئے ہیں۔ اور مختلف کتابوں کا حوالہ دے کر گائے کا گوشت کھانے سے جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان کی تفصیلی فہرست دی ہے۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب نے اس سے متعلق حضورؐ اکرم کے ارشادات کو قلمبند کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ حضورؐ اکرم دودھ دینے والے جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"حضرت رسولؐ خدا نے دودھ دینے
والے جانور مثلاً گائے بکری اور
اونٹنی وغیرہ کو ذبح کرنے سے منع

فرمایا ہے[1]

حکیم صاحب نے آنحضرت صلعم کے ارشادات کے عنوان سے ایک ذیلی عنوان قائم کیا ہے اور بتایا ہے کہ رسولؐ خدا نے گائے کا دودھ پینے اور اس کا گھی استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے نہ کہ اس کو ذبح کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ گائے کا دودھ شفاء گائے کا گھی دوا اور گائے کا گوشت مرض میں مبتلا کرتا ہے۔

اس حدیث کو امام ششم حضرت جعفر صادقؑ، امام پنجم حضرت محمدؑ الباقرؑ ابن امام چہارم حضرت علی زین العابدینؑ ابن امام سوم حضرت حسینؑ الشہید

---

[1] گائے اور پیغمبر اسلام ص۱

ابن امام اول حضرت علیؑ المرتضیٰ نے
بیان کیا ہے[1]

شمس اللہ قادری نے علامہ زہیری شیخ کمال الدین محمدؐ بن موسیٰ بن عیسیٰ الشافعیؒ مصر کے جیّد عالم کی ایک ضخیم کتاب "حیوٰۃ الحیوان" سے چار حدیثیں اخذ کرکے ان کے ترجمے کے ساتھ بتلایا ہے کہ حضورؐ اکرم نے ہمیشہ گائے کے دودھ میں شفائے اور گائے کے گھی کو دوا کہا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور کتاب "مدارج النبوۃ" کا حوالہ دے کر لکھا ہے۔

"رسولؐ اللہ نے کھایا ہے مرغ کا گوشت
گورخر کا گوشت، اونٹ کا گوشت
اور دریائی جانوروں کا گوشت بکرے
کا گوشت لیکن یہہ ثابت نہیں ہے کہ

---

[1] گائے اور پیغمبر اسلام ص

آپ نے گاڑے کا گوشت بھی کھایا ہے۔

حکیم صاحب نے بتلایا ہے کہ حکمائے اسلام نے گائے کے گوشت سے پیدا ہونے والے امراض کی تحقیق کی اور جملہ امراض کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان حکماء میں سب سے بڑا حکیم ابن سینا شیخ الرئیس ابوعلی حنیفی بن عبداللہ بن حنیفی البخاری تھا جو پانچویں صدی کا مشہور فلسفی اور طبیب ہے اس نے گائے کے گوشت سے پیدا ہونے والے امراض کی جو تفصیل دی تھی اس سے دوسرے حکماء نے ان تمام امراض کی فہرست دی ہے جو گائے کا گوشت کھانے سے پیدا ہوتے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے

۱۔ بہق ۲۔ سرطان ۳۔ جرب ۴۔ قوبا ۵۔ جذام ۶۔ دوالی ۷۔ امراض سوداویہ اور ۸۔ حمی ربع۔ بیماریوں کے نام گنائے ہیں۔

دکن یا دکسنیٹا پاٹھ: حکیم سید شمس اللہ قادری کا

ایک اور مضمون ان کی فائیلوں میں "دکن یا دکشنیا پاتھ" کے عنوان سے دستیاب ہوا ہے۔ جس کے چند اوراق تلف بھی ہوگئے ہیں۔ اور مضمون مکمل نہیں معلوم ہوتا۔ اس مضمون میں حکیم صاحب نے دکن کے متعلق اور نام "دکن" کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اور مختلف حوالے دیکر یہہ ثابت کیا ہے کہ ابتداء میں دکن کا نام "دکشنیا پاتھ" تھا اور "دکشنیا پاتھ" میں کون کون سے علاقہ شامل تھے ان کی تفصیل دی ہے۔

لفظ "دکن" کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"دکن پراکرت کا لفظ ہے اور سنسکرت
کے لفظ دکشنیا سے نکلا ہے۔ جو
سمت جنوب کے لئے استعمال ہوتا ہے
لیکن اس کے حقیقی معنٰی ہیں "دست
راست" اگر اس کا مقابلہ یونانی زبان

کے "ڈکسٹوس" اور لاطین زبان
کے "ڈکسٹیر" سے کیا جائے (جن کے
معنی بھی دست راست کے ہیں)
تو ثابت ہوتا ہے کہ آریاؤں کی
ابتدائی زبان میں ان الفاظ کا مادہ
ڈکز موجود تھا۔ جس کو تمام آریا قوم
دست راست کے لئے استعمال
کرتے تھے[1]

لفظ دکشٹیا پاتھ کی ابتداء کے بارے میں
تاریخ کے حوالے دیتے ہوئے حکیم صاحب نے
بڑی مدلل بحث کی ہے اور آخر میں اس نتیجہ
پر پہنچتے ہیں۔

"دکن کے لئے دکشٹیا پاتھ کا نام
حضرت عیسیٰ کے ظہور تک یونان و

---

[1] دکن یا دکشٹیا پاتھ صدا

روم میں بھی رواج پا گیا تھا۔
چنانچہ پیری پلس کے مصنف نے
(جو ایک عربی تاجر کے بحری سفر
کی سرگذشت ہے اور سنہ ۸۰ء اور
سنہ ۹۰ء کے مابین تالیف ہوئی ہے)
اس نام کو دکنیا باذیس کی صورت میں
نقل کیا ہے۔ اور اس میں بھی صراحت
موجود ہے کہ اس ملک کو دکنیا بادیس
اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہاں کے
باشندے جنوب کو دکانوس کہتے تھے[1]
دکشنیا پاتھ کا علاقہ کہاں سے کہاں تک
کہلاتا تھا اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ
راس کماری تک جنوب میں پھیلا ہوا تھا اور دریائے
گوداوری اور کرشنا اس سے ہو کر گزرتے تھے۔

---

[1] دکن یا دکشنیا پاتھ ص ۵

حکیم صاحب نے وکشٹیا پاتھ کے علاقوں کو مزید تفصیل سے بتلانے کے لئے راجہ سمدرا گپتا کے ایک کتبے کا حوالہ دیتے ہوئے بتلایا ہے کہ راجہ سمدرا گپتا ۲۲۸ء ۲۷۶ء کے ایک کتبہ میں بارہ[۱۲] علاقوں کی تفصیل دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان بارہ علاقوں کو راجہ سمدرا گپتا نے فتح کیا تھا ان بیانات کا زمانہ حال کے مورخ کے بیانات سے مقابلہ کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

"زمانۂ حال کے بعض ہندو مورخین کا بھی یہی قیاس ہے کہ یہ بارہ علاقہ نرمدا سے بالا تک جنوبی ہند کے شرقی حصے ہیں اور گوداوری اور کرشنا کے مابین سرکار نظام کے موجودہ تلنگانہ میں واقع تھے"

اس کے علاوہ دوسرے مورخ برنٹ اسمتھ دوبریل اینگار اور مسری نواس نے جو باتیں اِن بارہ علاقوں کے بارے میں بتلائی ہیں۔ ان سے بھی حکیم صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے اور مختلف کتب تاریخی کے اقتباسات بھی دلیل میں پیش کئے ہیں۔ اس مخطوطے سے ہم اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ شمس اللہ قادری نے تاریخ کا کتنا اچھا مطالعہ کیا تھا۔

قدیم ہندوستان

حکیم صاحب کا ایک اور رسالہ "قدیم ہندوستان" کے نام سے دستیاب ہوا ہے۔ اس مضمون میں حکیم صاحب نے لفظ ہندوستان سے بحث کی ہے اور پھر ہندوستان کے قدیم نام کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات بہم پہنچائی ہیں اس سلسلے میں اور ہندوستان کے بڑے بڑے

دریاؤں کا ذکر بھی کیا ہے اس سے علم جغرافیہ پر ان کے غیر معمولی عبور کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

آخر میں تعلیقات کے عنوان سے چند الفاظ کی تفصیل بتلائی ہے۔ اس مضمون میں جو عنوانات درج ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔ جس سے اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"ہندوستان عہد قدیم میں کسی خاص نام سے موسوم نہیں تھا" "بھارت ورش، کل ہندوستان کا نام نہیں ہے" "ہندو اور ہندو کی حقیقت" "ہندو کا لفظ اوستا میں" "داریوس اعظم کے کتبہ میں ہندوستان کا نام" "بائبل میں ہندوستان کا نام" قرون وسطیٰ کے کلیسائی مصنف حبش اور جنوبی عرب کو ہند کہتے تھے" "کیا ہند یا ہندو سنسکرت کے سندھ یا سندھو کا

ایرانی تلفظ ہے۔" "ایرانیوں کا ہمیشہ ہندو"
"دریائے جیحو" "وسط ایشیا کا ہفت آب"
"وسط ایشیا کا پنج آب۔" "رگ وید کے تین
سندھو دریا۔" "رگ وید کا پہلا ہفت آب۔"
"رگ وید کا دوسرا ہفت آب" "مہا بھارت
کا پہلا ہفت آب۔" "مہا بھارت کا دوسرا
ہفت آب۔" "پرانوں کا ہفت آب۔"

ہندوستان کے نام کے بارے میں شمس اللہ قادری نے بڑی دلچسپ بات بتائی ہے وہ لکھتے ہیں۔"

"عہد تاریخ کے شروع ہونے سے پہلے
ہندوستان کا ملک نہ تو کسی ایک
نام سے موسوم تھا اور نہ یہاں کے
باشندوں نے اس کا کوئی ایک
نام رکھا تھا بلکہ قدیم دستور کے

مطابق ملک کے مختلف حصے ان
قوموں سے منسوب کر دیا کرتے
تھے جو ان میں سکونت پذیر تھے یا
ان پر ان کا تسلط تھا۔ ان قوموں
کے عروج و زوال کے ساتھ ان
کے ساکن اور منازل کے نام بھی
تبدیل ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ
مہاراجہ اشوکا نے اپنے فرامین
میں ہندوستان کا ذکر کسی ایک
نام سے نہیں کیا ہے بلکہ جو ملک اس
کے قبضہ میں تھا اس کو اپنا "قلمرو"
کہتا ہے۔ اور جو ممالک اس کے
اطراف واقع تھے ان کو ہمسایہ
سلطنتوں سے تعبیر کر کے جن حصوں
پر جو اقوام حکمران تھے۔ ان سے

ان حصّوں کو منسوب کردیا ہے۔

"اسی طرح مغربی چالوکیوں کے ایک برنجی لوح میں جو گیارھویں صدی مسیحی میں مکتوب ہوئی ہے ہندوستان کو کسی ایک نام سے موسوم کرنے کے عوض اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ وہ ملک جو دو سمندروں کے بیچ میں ہمالیہ سے راما کے پُل تک واقع ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ گیارہویں صدی میں بھی ہندوؤں کے یہاں ہندوستان کا کوئی ایک نام معین نہیں تھا۔"[1]

---

[1] قدیم ہندوستان ص۱

تصنیف "تبصرے اور تذکرے" ہے جس کے چند اوراق دستیاب ہوئے ہیں ان میں حکیم صاحب نے تاریخ کی چند اہم کتابوں پہ تبصرہ کیا ہے۔ جن میں "تتمہ صوان الحکمۃ"، تالیف الامام ظہیرالدین ابوالحسن بن ابی القاسم زید البیہقی المتوفی ۵۶۵ھ "آثار ایران" مجموعہ تحقیقات اہرہ راہ عتیقان ایران مرتبہ دانشمند ایران شناس موسیو اندانے گوداروڈ "مرقع گلشن" "آداب الحرب و الشجاعۃ" تصنیف فخرالدین مبارک شاہ معروف بہ فخر وزیر دفتر دیوانی و مالی و ملکی سرکار عالی مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن۔ اور دولت عثمانیہ۔ تصنیف مولوی محمد عزیز ایم۔ اے شائع کردہ دارالمصنفین اعظم گڈھ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ایران کی تاریخی مطبوعات پر بھی حکیم صاحب نے تبصرہ کیا ہے جن میں

"مجمل التواریخ والقصص" "تاریخ بیہقی" "تاریخ بخارا" "تجارب السلف" - "تاریخ جدید" "ذیل جامع التواریخ" "دائرۃ المعارف" "نزہتہ الارواح" اور "مجمع الاداب فی معجم الالقاب" شامل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شمس اللہ قادری کو نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک کی تاریخ پر بھی عبور حاصل تھا یہ رسالہ حکیم صاحب کے تبحّر علمی کا مظہر ہے۔

چند اہم شخصیتوں پر ان کے علمی کارناموں کی روشنی میں تبصرہ کیا گیا ہے جن میں پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے پرنسپل اورینٹل کالج لاہور اور پروفیسر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی وغیرہ شامل ہیں۔ ان تبصروں سے حکیم صاحب کی مردم شناسی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

شمس المؤرخین شمس اللہ قادری

کی محققانہ عظمت

تاریخ ادبِ اردو کو شمس اللہ قادری کی دین دکنی محقق کی حیثیت سے

حکیم سید شمس اللہ قادری نے اردو ادب کی تاریخ میں بیش بہا اضافے کئے ہیں۔ آپ کے ادبی کارناموں میں "اردوئے قدیم" اور "قاموس الاعلام" بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ حکیم صاحب نے اردو شعراء کے تذکروں کی ایک فہرست بھی مرتب کی تھی، جس میں بارھویں صدی ہجری کے بعد سے جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ان سب کا ذکر کیا گیا ہے۔

پروفیسر بلوم ہارٹ نے اردو مخطوطات کی جو فہرست تیار کی تھی اس پر حکیم شمس اللہ قادری نے ایک تمہیدی نوٹ بھی لکھا تھا۔ پروفیسر بلوم ہارٹ نے اپنی فہرست میں جو غلطیاں کی تھیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مخطوطات کی اس فہرست کے علاوہ شمس اللہ قادری نے ایک اور فہرست مرتب کی

تھی جس میں یونانی عربی اور عبرانی زبان کے عالموں کے مختصر حالات اور ان کی تصانیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو زبان میں غالباً یہہ اپنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ اس فہرست سے یہہ پتہ چلتا ہے کہ شمس اللہ قادری کو نہ صرف اردو بلکہ عربی اور دوسری زبانوں کے ادب سے بھی خاصہ لگاؤ تھا۔ اور یہہ کہ ان کا مطالعہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں قدیم اور جدید دونوں زبانوں کا ادب شامل تھا۔ اس فہرست سے حکیم سید شمس اللہ قادری کی بلند پایہ تحقیق اور ان کی ادبی چھان بین کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس نایاب فہرست کے متعلق اس زمانے کے ایک مشہور اخبار "پیسہ اخبار لاہور" نے لکھا تھا۔

"علامہ سید شمس اللہ قادری نے
جو عربی عبرانی یونانی زبان کے عالم

ہیں۔ عربی فارسی اردو کتب کی ضخیم فہرست مرتب کی ہے جس میں مصنفین کے مختصر حالات اور تصانیف کا تذکرہ کہ وہ دنیا بھر میں کہاں کہاں چھپی ہیں کون کون زبانوں میں اُن کے ترجمے ہوئے ہیں اور اُن کے متعلق کس قدر شروح و حواشی لکھے گئے ہیں۔ اُن کے مصنف کون ہیں اور وہ کہاں چھپی ہیں بالتفصیل تحریر ہے۔[1]

حکیم صاحب نے "ادب اردو کی ابتدائی تاریخ" کے عنوان سے اردو سوسائٹی کے زیر انتظام گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں ۲۳ اور ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو دو لکچر دیئے تھے جو اردو ادب میں دستاویزی

---

[1] پیسہ اخبار لاہور بابتہ ۲۱ جولائی ۱۹۰۶ء سنہ ٹی مونیل حکیم سید شمس اللہ قادری صد ۱

حیثیت رکھتے ہیں۔ یہہ دونوں لکچرز بعد میں رسالہ "سفینہ" میں بھی شائع ہوئے تھے۔ ان میں شمس اللہ قادری نے اردو زبان کے مختلف ناموں کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اس کی ابتداء سے بحث کی ہے اور یہہ بتایا ہے کہ گنگا اور جمنا کے دوآبے میں اس نے جنم لیا تھا بعد میں دکن میں اسی زبان نے ادبی روپ دھارا اور نثری کارنامے وجود میں آئے۔ اس سلسلے میں شمس اللہ قادری نے دکنی نثر کے ابتدائی نمونوں سے تفصیلی بحث کی ہے۔

"اردوئے قدیم" کی طباعت

اُردوئے قدیم سے پہلے حکیم صاحب کا ایک مضمون "قدیم شعرائے اردو" کے عنوان سے اپریل - مئی - جون ۱۹۱۷ء کے "لسان العصر لکھنؤ" کے تین نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ شمس اللہ قادری نے "اردوئے قدیم" میں بتلایا ہے کہ یہ مضمون جملہ ۳۲ صفحات

پر مشتمل ہے اور یہ کہ مذکورہ بالا مضمون کی ترتیب (اردوئے قدیم) کی ترتیب سے مختلف ہے۔ مذکورہ مضمون کے پہلے حصے میں عماد شاہی شعراء کا ذکر ہے اس کے پہلے حصے میں سعدیؔ، نصرتیؔ، ہاشمیؔ اور سیتوا کے حالات علی الترتیب بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے حصے میں قطب شاہی شعراء کا تذکرہ لکھا ہے جس میں سب سے پہلے ملا نوریؔ غواصیؔ اور نصرتیؔ کا حال ہے۔ تیسرے حصے میں عاجزؔ، وجدیؔ اور ولیؔ کے حالات ہیں اور اس طرح اس میں جملہ دس شعراء کا ذکر آیا ہے۔

حکیم صاحب کا یہ مضمون اگرچہ کہ مختصر تھا لیکن علمی حلقہ میں اس نے ایک ہنگامہ برپا کردیا۔ بڑے بڑے عالموں اور ادیبوں نے اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ مولانا حالیؔ اور علامہ شبلیؔ جیسے مشاہیر علماء نے اسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار

دیا تھا۔ اور اس کی انتہائی تعریف کی تھی۔ مختصر یہ کہ ان مضامین کو ہمعصر ادیبوں نے خراج تحسین ادا کیا اور اس طرح شمس اللہ قادری کو اردو کے مصنفین میں ایک بلند مقام حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہہ کام رک گیا۔ اور اس طرح ایک مدت گذر گئی لیکن ۱۹۲۴ء میں مدیر "تاج" (حیدرآباد) نے حکیم صاحب سے اس مضمون کو مکمل کرنیکی خواہش کی۔ حکیم صاحب نے اس مضمون کو دو ماہ کے اندر مکمل کرلیا اور ڈسمبر ۱۹۲۵ء میں "مدیر تاج" کی طرف سے اس کا پہلا ایڈیشن کتابی صورت میں "اردوئے قدیم" کے نام سے شائع ہوا۔

کتاب کے سرورق پر لکھا ہے تاریخ

پہلا ایڈیشن زبان اردو نیچے لکھا ہے "اردوئے قدیم" جس میں زبان اردو اور اس کی نظم و نثر کی مفصل تاریخ اور عہد بہ عہد ترقیوں کا تذکرہ ابتدائی

زمانے سے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد آخر تک کے شعراء اور مصنفین کے صحیح حالات تحریر ہیں۔ جس کو شمس المورخین سید شمس اللہ قادری ممبر ایشیاٹک ہسٹاریکل اینڈ نیومسماٹک سوسائٹیز ماہر علوم آثار قدیمہ نے عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ زبانوں کی مشہور و مستند کتابوں سے اخذ کرکے تالیف کیا۔ اور باہتمام خاکسار وفا مدیر "تاج" تاج پریس میں چھپوا کر شائع ہوئی۔ اس کتاب کو حکیم صاحب نے بابائے اردو مولانا مولوی عبدالحق کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب جملہ (۱۱۹) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ پہلا ایڈیشن اب بہت کمیاب ہوگیا ہے۔

اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد بھی حکیم صاحب تحقیق و تجسس کے کام میں مصروف رہے۔ اور آخرکار اس میں اور اضافہ کرکے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔

"اردوئے قدیم" کا دوسرا ایڈیشن

دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں مطبع منشی نول کشور واقع لکھنؤ میں طبع ہوکر شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن (۲۱۵) صفحات پر مشتمل ہے۔

شمس اللہ قادری صاحب نے پہلے ایڈیشن میں تین سلطنتوں کا ذکر کیا ہے جن میں سلطنت بہمنیہ سلطنت قطب شاہیہ اور سلطنت عادل شاہیہ شامل ہیں۔ لیکن دوسرے ایڈیشن میں سلطنت گجرات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان چاروں سلطنتوں کے بارے میں تفصیل بتلاتے ہوئے ان تمام نثر نگاروں اور شعراء کا ذکر کیا ہے جو اس زمانہ میں گذرے ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں قطب شاہیہ عہد کے صرف نو شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن دوسرے ایڈیشن میں تیرہ شعراء کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح سلطنت عادل شاہیہ کے شعراء میں پہلے ایڈیشن میں سات

اور دوسرے ایڈیشن میں دس شعراء کا ذکر موجود ہے اس کے علاوہ پہلے ایڈیشن میں دکن میں مغلیہ عہد کے چھ شعراء کا ذکر ہے لیکن بعد میں اور سات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس طرح جملہ تیرہ شعراء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد اورنگ آباد کے تین شعراء کا ذکر کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں جملہ (۲۵) پچیس شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں (۳۹) شعراء کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ حکیم صاحب نے پہلے ایڈیشن میں جن شعراء کا تذکرہ کیا ہے دوسرے ایڈیشن میں انہی میں چند شعراء کے بارے میں مزید معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

پہلے ایڈیشن میں قطب شاہی دور کے ایک شاعر ابن نشاطی کی نسبت لکھا ہے۔

"ابن نشاطی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا

درباری شاعر ہے ۔ اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد کیا ہے ۔

۱۔ پھول بن ۔ ایک فارسی کتاب بساتین کا منظوم ترجمہ ہے ۔ ہیجسر اسٹیوارٹ نے اس کا سنہ تصنیف ۱۰۵۹ھ بیان کیا ہے ۔ کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے سنہ ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے ۔ لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۰۷۶ھ میں تصنیف ہوئی ۔ چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

اٹھا تاریخ لاؤتوں یو گلزار
ایگیارہ سو کون کم تھے بیس یو چار
محمد ابراہیم بیجاپوری نے ۱۱۷۹ھ
میں انوار سہیلی کا نثر دکھنی میں ترجمہ
کیا ہے اس کے دیباچے میں دکھنی
کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے
ہیں اور ان میں پھول بن کا نام
بھی شامل ہے۔ حاجی خلیفہ نے
بساتین کا نام لکھا ہے۔ یہہ فارسی
کی ایک مشہور کتاب ہے اور ملا
احمد زبیری نے اسے سلطان محمد
تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) کے زمانے
میں تصنیف کیا ہے۔
(۲) طوطی نامہ۔ شیخ ضیا الدین نخشبی
کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے

پروفیسر ٹاسی نے اس کا سنہ تصنیف
۱۰۴۹ھ بیان کیا ہے۔ لیکن میجر
اسٹیوارٹ کے بیان سے ۱۰۶۴ھ
میں اس کا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے[1]
دوسرے ایڈیشن میں حسب ذیل
اضافہ کیا ہے۔

ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے
ہوئے۔ اس کے نام اور تاریخ تصنیف کی اس طرح
صراحت کی ہے۔

"ھنادار اسکی دیکھ ہر ایک چمن میں
رکھیا ہوں ناؤں اس کا پھولبن میں
اس مثنوی میں بادشاہ کی مدح کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔
کروں تعریف میں اس تاجور کا
سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا

---

[1] اردوئے قدیم (پہلا ایڈیشن) صفحہ ۵۹

ستہان کا شاہ عبداللہ غازی
اچھو جم حق سوں اسکی پیش بازی

ابتداء اس شعر سے ہوئی ہے۔

خداوند تجھے ہے جم خدائی
ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی[1]

دوسرے ایڈیشن میں حکیم صاحب نے "ملحقات اردوئے قدیم" کا جدید اضافہ کیا ہے اس میں انہوں نے (۲۳) تئیس شعراء کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ان شعراء کے کلام میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ قدیم ترکیبیں اور متروک جملے ناظرین کو کثرت کے ساتھ نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے ان شعراء کے کلام کو سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے اس دشواری کو دور کرنے کے لئے شمس اللہ قادری نے دکنی زبان کے خصوصیات

---

[1] اردوئے قدیم (دوسرا ایڈیشن) صـ ۶۹

بتلائے ہیں اور الفاظ کے ساتھ مثالیں بھی دی ہیں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس اللہ قادری کو لسانیات
کے مسائل سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور یہ کہ زبان
کے ارتقاء پر بھی ان کی نظر تھی اور اس کی اہمیت
کو انہوں نے محسوس کر لیا تھا۔ زبان کے قواعد
مرتب کرنے اور اس کی تشکیل کو باقاعدہ اور
سائنٹیفک طریقے پر سمجھنے کی اولین کوششوں میں
اس کا ایک اہم مقام ہے۔ مثال کے طور پر
ان کا یہ محاکمہ ملاحظہ ہو۔

۱۔ دکنی تصنیفات میں عربی، فارسی، الفاظ
کا املا مروجہ قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے اور
اہل دکن نے ہندی اصوات کے لحاظ سے ان کا
تلفظ تحریر کیا ہے۔

مثلاً مروجہ املا تسبیح دکنی املا تسبی
" دعویٰ " داوا

خوشی " خشی

اسی طرح اکثر ہندی الفاظ کا املا بھی ان کتابوں میں اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے۔ مثلاً

تجھ۔ تجھے۔ تجھکو۔ تج تجے۔ تجکون

مجھ۔ مجھے۔ مجھکو۔ منج۔ منجے۔ منجکون

ساتھ ساتھ

۲۔ دکنی بولنے والے عام طور پر اسم کے آخر میں الف نون زیادہ کرکے جمع بنلاتے ہیں مثلاً

آنکھ سے آنکھیاں

انجو سے انجواں

نین سے نیناں

۳۔ دکنی میں عام طور پر ماضی کے آخر میں الف سے پہلے (ی) اضافہ کی جاتی ہے۔ مثلاً

کہا کھیا

دیکھا   دیکھیا
رکھا   رکھیا

۴۔ عطف کا (اور) دکنی میں ہمیشہ (ھور) لکھا جاتا ہے۔

۵۔ دکنی میں حرف (چ) کو اخیر میں زیادہ کرنے سے حصر اور تخصیص کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً

اکیلا سے اکیلاچ   یعنی اکیلا ہی
اِتنا سے اِتناچ   یعنی اتنا ہی
تیرا سے تیراچ   یعنی تیرا ہی

کبھی کبھی (چ) سے پہلے (ھی) بھی اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً

اکیلا ھیچ   اپنا ھیچ وغیرہ۔

۶۔ دکنی زبان میں حروف جار استفہام اور ضمائر وغیرہ کی حسب ذیل شکلیں ہوا کرتی ہیں۔

یو   یہ   یہ

اون   وو   وہ

تلک   لگ   تک

۷. بعض قدیم مصادر اور ان کے مشتقات جو مدت ہوئی کہ متروک ہو گئے ہیں۔

اچھنا ھونا رہنا اچھے ہوے رہے

۸۔ قدیم قاعدے کے موافق مصدر کا الف گراکر (ہار) اضافہ کرنے سے اسم فاعل بنتا ہے۔

مثلاً: اچھنا سے اچھنہار

سٹنا سے سٹنہار

۹. چند قدیم دکنی الفاظ کے معنی جو نمونوں میں آتے ہیں۔

آدھار فہم و فکر آرسی آئینہ

حکیم صاحب نے آخری صفحات پر قدیم نثر کے چار رسائل سے نثر کے نمونے بھی دیئے ہیں۔

"شمائل الاتقیاء" "اسرار توحید" "معرفۃ السلوک"
اور "شرح مرغوب القلوب" کی منتخب نثر کے
حصے بھی انہوں نے پیش کئے ہیں۔

"اردوئے قدیم" شمس اللہ قادری کا اہم
کارنامہ ہے۔ آپ نے تمام غلط فہمیوں کو دور
کیا ہے جو عام طور پر اردو زبان، اس کی ابتداء
اور ادبی آغاز کے بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔
اردو زبان کے متعلق عام خیال یہ تھا کہ اکبریا
شاہجہاں کے عہد میں اس زبان کے ادب کا آغاز
دہلی اور لکھنؤ میں ہوا۔ اس کے برخلاف شمس اللہ
قادری نے سب سے پہلے اس امر کو منکشف کیا کہ
اہل دہلی و اہل لکھنؤ کی کوششوں سے صدیوں پہلے
اہل دکن کے سایہ عاطفت میں اس زبان کی
نشو ونما ہوئی۔ اورنگ زیب سے مدتوں پہلے
اس زبان کے بڑے بڑے شاعر اور مصنف گذرے

چکے ہیں۔ شمس اللہ قادری کے اس کارنامے پر محققین نے آپ کو "شمس المورخین" کا لقب عطا کیا تھا جو کوئی معمولی اعزاز نہیں۔ شمس اللہ قادری نے اپنی تحقیق کے ذریعہ سے دکنی ادب کو اردو دنیا سے روشناس کرایا اور "اردو" ادب کی تاریخ کو صدیوں آگے بڑھا دیا۔ ان کا یہہ کارنامہ اردو ادب کی تاریخ کا ایک ان مٹ نقش ہے۔

شمس اللہ قادری کی یہ محققانہ کتاب اردو دان طبقے اور علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ اس کو مفید اور کارآمد سمجھتے ہوئے جامعہ عثمانیہ کے ایم۔ اے کے نصاب میں بھی جگہ دی گئی تھی۔ چنانچہ عثمانیہ کے مسجل کا یہہ مکتوب ملاحظہ ہو۔

دفتر مسجل (رجسٹرار) جامعہ عثمانیہ سرکارعالی

۱۶/اردی بہشت ۳۶ سنہ

بخدمت شریف حکیم شمس اللہ صاحب قادری

بجواب چھٹی مورخہ ۸؍ اردی بہشت ۳۶ف نگارش ہے کہ آپ کی مولفہ کتاب "اردوئے قدیم" ایم۔ اے اردو لسانی کے ضمن میں ذیلی کتابوں میں امتحان ۳۷ف ۳۸ف کے لئے شریک کی گئی۔ فقط

دستخط

نگرانکار مسجل جامعہ عثمانیہ

قاموس الاعلام "قاموس الاعلام" اردو زبان کا سب سے پہلا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس سے پہلے اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا نہیں لکھا گیا تھا حالانکہ ۱۸۶۸ء میں مہاراجہ بنارس نے انگریزی انسائیکلو پیڈیا کو اردو میں ترجمہ کرانے کا ارادہ کیا تھا اس کے ایک عرصہ بعد ۱۹۱۶ء میں

اردو میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کی پھر تحریک ہوئی جس میں نواب عماد الملک بہادر نے بھی حصہ لیا تھا اور راجہ صاحب محمود آباد نے اس کے لئے ایک لاکھ کا عطیہ منظور کیا تھا۔ لیکن یہہ تحریک بار آور نہیں ہوئی۔ حکیم صاحب نے یہہ کام اپنے ذمہ لیا اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی شائع کردی۔ اس میں بلاد مشرق و مغرب کے بادشاہوں امیروں عالموں فاضلوں حکیموں شاعروں ادیبوں اور علمی ادبی مذہبی اور تاریخی تصنیفات کا ذکر موجود ہے۔ ہر ایک نام کے ساتھ مزید معلومات حاصل کرنے اور مطالعہ کو وسعت دینے کے لئے عربی فارسی اردو اور انگریزی وغیرہ زبانوں کے معتبر و مستند مصادر کے حوالے صفحات و مجلدات کی صراحت کے ساتھ درج کئے گئے ہیں اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ تاریخی: اس میں مشاہیر رجال اقوام و ملل اور

دول و سلاطین کے سوانحات ہیں۔

حصۂ جغرافیہ: اس میں اقالیم و امصار کے جغرافیے ملکوں ولایتوں اور شہروں کے تاریخی تذکرے موجود ہیں۔

قاموس الاعلام: کا پہلا حصہ جملہ (۱۱۹) صفحات پر مشتمل ہے۔

"قاموس الاعلام" کے بارے میں خان بہادر شیخ عبدالقادر ایم۔ اے آئی۔ ای۔ ایس کا یہہ بیان ملاحظہ ہو جس سے اس انسائیکلو پیڈیا کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"قاموس الاعلام کا پہلا حصہ دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ قابل قدر تالیف پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی تو استنادی نقطہ نظر سے لازماً یہہ ان بلند پایہ مصنفین اور محققین کے لئے ناگزیر ہوگی جو تاریخ اسلام جغرافیہ اور تراجم کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں اور

خاص طور پر ایسے محققین کے لئے بھی
یہہ قطعی ضروری ہے جو اردو ادب
اور اسلامی ثقافت پر کام کرتے ہیں۔
دور حاضر کے محققین اس قسم کی کتابوں
سے مدد لینے کے لئے مجبور ہیں جیسے
ڈسی پلان کی ابن خلکان بلاک مین
کی آئین اکبری ڈی ھربلیوٹ کی
بلیوتھیکا فینٹلا ہیل کی اورینٹیل
بیاگرفیکل ڈکشنری ڈی ٹاسی کی تصنیفات
اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ۔
لیکن یہہ تمام کتابیں قطع نظر اس کے
غیر زبانوں میں ہیں۔ نہ تو انہیں خریدا
جاسکتا ہے نہ یہہ بہ آسانی دستیاب
ہوسکتی ہیں۔ مزید برآں یہ عام طور پر
اسلامی ادب ہند کے نقطہ نظر سے اتنی

کارآمد نہیں ہیں۔ جتنی قاموس۔ اردو
زبان میں قاموس جیسی کتاب کی سخت
ضرورت محسوس کیجا رہی تھی جس کو
حکیم سیّد شمس اللہ صاحب قادری
نے انتہا تنہا مدون کیا ہے۔ ان کا یہ
غیر معمولی کام واقعی ایک قابل قدر
کارنامہ ہے جس کے لئے عوام و خواص
کی ہمت افزائی و اعانت چاہیئے۔ مجھے
یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں ہے کہ
قاموس الاعلام ان سب سے کہیں
زیادہ جامع و مانع اور کہیں زیادہ
معلومات آفرین کتاب ہے میں یقین
واثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہہ
عدیم المثال تصنیف نہ صرف مشرق
بلکہ مغرب میں بھی مقبول عام ہوگی"[1]

---

[1] تبصرہ بر لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ صنا

رسالہ تاریخ

شمس اللہ قادری ایک رسالہ بھی نکالتے تھے اور اس کا نام انہوں نے "تاریخ" تجویز کیا تھا۔ یہہ سہ ماہی رسالہ تھا اور اس میں اکثر مضامین تاریخ پر لکھے جاتے تھے "تاریخ" کا پہلا رسالہ جون ۱۹۲۹ء کے آخر ہفتہ میں شائع ہوا تھا۔ حکیم صاحب نے اس کی قیمت دو روپیہ رکھی تھی۔ رسالہ میں بعض اہم مضامین جو طویل ہوتے تھے ان کو حکیم صاحب بالاقساط شائع کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے خود اپنا ایک مضمون "تاریخ دکن کی علمی ترقیاں قطب شاہیہ عہد میں" دو اقساط میں شائع کیا تھا۔ یہہ رسالہ نواب لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ سے شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر خود شمس اللہ قادری تھے اور ان کے بڑے لڑکے سید احمد اللہ قادری اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ حکیم صاحب کا مضمون مورخین ہند بھی رسالہ تاریخ میں شائع

ہوا تھا۔ "تاریخ" میں حکیم صاحب نہ صرف اپنے مضامین شائع کیا کرتے تھے بلکہ ملک کے دوسرے قابل مضمون نگاروں کے مضامین کو بھی جگہ دیا کرتے تھے۔ آپ کا یہہ رسالہ انتہائی معیاری اور مستند تھا کہ لوگ اس سے سند لیا کرتے تھے۔ یہ رسالہ یورپ میں بھی فروخت ہوتا تھا اور محققین اس سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

دکن کے محققین پر شمس اللہ قادری کا اثر

حکیم شمس اللہ قادری نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے گنے چنے عالموں میں سے ایک سمجھے جاتے تھے وہ دکن کی زندہ تاریخ تھے۔ اور سارے ہندوستان میں قدیم دور کے سب سے بڑے اور مستند عالم مانے جاتے تھے۔ موجودہ دور میں ان کے درجے اور مرتبے کے محقق و عالم بہت کم نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کے ممتاز

محققین تحقیقاتی مسائل میں آپ سے رہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ بہت سے طلباء نے شمس اللہ قادری کے مفید مشوروں سے فائدہ اٹھاکر السنہ مشرقی کی مشہور و معروف جامعات سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تحقیقاتی میدان میں حکیم صاحب کی اہمیت مسلمہ ہے۔ نواب علی یاور جنگ نے اکثر و بیشتر کہا تھا کہ شمس اللہ دکن کی ایک زندہ تاریخ ہیں"

حکیم صاحب سے دکن کے بہت سارے محققین نے فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی اپنی تصانیف میں حکیم صاحب کے حوالے بھی دیئے ہیں لیکن بعض لوگوں نے آپ سے فائدہ اٹھایا مگر حوالے نہیں دیئے۔ دکن کے جن دوسرے محققین نے آپ سے فائدہ اٹھایا ہے ان میں بابائے اردو مولانا عبدالحق ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

اور نصیرالدین ہاشمی وغیرہ شامل ہیں۔

یہہ محققین شمس اللہ قادری کے علمی و تحقیقی کارناموں کے قائل تھے اور ان کی علمیت کی قدر کیا کرتے تھے۔

بابائے اردو مولانا عبدالحق کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحق شمس اللہ قادری سے تحقیقاتی اور علمی کارناموں میں کس طرح مشورہ لیا کرتے تھے اور کس طرح ان کی مدد سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ بابائے اردو مولانا عبدالحق اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں نے ابھی ایک خط سید احمد اللہ قادری ایم۔ آر۔ اے۔ ایس کی خدمت میں لکھا ہے اور اس میں آپ سے یہ درخواست کی ہے کہ براہ کرم "عشرتی" کی کتاب کا سنہ تالیف فارسی

پدماوت میں دیکھئے شاید اس میں
کچھ مل جائے کیونکہ دیپک پتنگ
میں کچھ نہیں ملا۔ دوسری درخواست
یہہ ہے کہ نغمۂ درپن کے آخری صفحہ
کی نقل لینا بھول گیا اس میں سنہ
تالیف درج ہے اور اس میں اور
بھی درج ہے"

(۲۷ نومبر ۱۹۲۸ء اورنگ آباد)[1]

عبدالحق کے ایک اور خط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف کتابوں کے حوالے اور مستند تصانیف کے اقتباسات وغیرہ کے سلسلے میں ان سے مدد لیا کرتے تھے بلکہ بعض وقت تراجم کے سلسلے میں بھی عبدالحق نے آپ سے مدد لی تھی۔ عبدالحق کے ایک خط کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

---

[1] یہہ خط بدم شری سید احمد اللہ قادری کے پاس محفوظ ہے۔

"اورنگ آباد جاکر مسودات ادبیات
ایران دیکھ کر عرض کرونگا اور بہت
ممنون ہونگا اگر آپ اس لاطینی
عبارت کا ترجمہ کرکے روانہ فرمادیں۔"

(۲۰ ر تیر ۱۳۴۳ف دولت آباد) ۱؎

مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکن کے محققین پر شمس اللہ قادری کا گہرا اثر تھا اور سب آپ کی بڑی عزت کرتے تھے آپ سے تحقیق کے دوران میں مدد لیا کرتے تھے۔ اور انکی رہبری و رہنمائی کے خواہاں ہوتے تھے

شمس اللہ قادری کی پیروی محققین دکن نے کس طرح کی۔

شمس اللہ قادری کے علمی اور ادبی تحقیقات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان کے محققین نے

۱؎ یہ خط پدم شری سید احمد اللہ قادری کے پاس محفوظ ہے۔

بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ بعض محققین نے حکیم صاحب کی تحقیقات کا صاف طور پر حوالہ دیا ہے اور بعض محققین نے ان کی تحقیقات سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا ہے۔

خود حکیم صاحب اپنی سوانح میں لکھتے ہیں:

"میرا بہت سا ورک بعض حضرات نے اپنے نام سے چھپوالیا ہے ایک صاحب نے میری کتاب محبوب الآثار کو جس کے بہت سے حصے "مخزن" لاہور میں چھپے تھے اپنے نام سے چھپوائے۔ ایک صاحب میری کتاب "آثار الکرام" کو جو دور سلاطین غزنویہ کی علمی ترقیوں پر تھی اور جو رسالے اردو میں چھپی تھی اپنے نام سے چھپوالیا۔ ایک صاحب نے میری "اردوئے قدیم" کا ترجمہ پیش کر کے

پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرلی
اس قسم کی اور بھی مثالیں ہیں۔ میرے
بہت سے مضامین مختلف لوگوں
نے اپنے نام سے چھپوائے اور میری
محنت و کاوش سے ناجائز فائدہ
اٹھایا ہے۔ بعض مصنفوں نے میری
تصنیفات سے جائز فائدہ اٹھایا ہی
اور نہایت فراغدلی کے ساتھ میری
تصنیفات کے حوالے دیئے ہیں۔
کرن انسٹیٹوٹ کی مشہور کتاب
سالانہ کتاب۔ انیسول ببلیو گرافی
آف انڈین آرکیالوجی کی توضیحی فہرست
ہیں میری کتاب قاموس الاعلام کے
کئی اقتباس نقل کئے ہیں۔ انا ملی
یونیورسٹی کے پروفیسر تاریخ

مسٹر نیو اسس چاری نے اپنی کتاب
ہسٹری آف جنجی میں ناصر جنگ کے
مقام شہادت کی نسبت جو تحقیقات
کی تھی اس کا نہایت کشادہ دلی کے
ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

بابو رام سکسینہ نے جو ادب اردو
کے مشہور تاریخ نویس ہیں اپنی کتاب
ہسٹری آف اردو لٹریچر میں میری
قدیم اردو کی نسبت تحقیقاتی کوششوں
کا تذکرہ کیا ہے"[1]

شمس اللہ قادری کی تحقیقات سے ڈاکٹر
سید محی الدین قادری زور اور نصیر الدین ہاشمی نے بھی
فائدہ اٹھایا ہے۔ اور اپنی اپنی تصانیف میں
حکیم صاحب کی تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ اور

---

[1] خود نوشت سوانح ص۳

جہاں ضرورت ہو ان کے حوالے بھی دیئے ہیں اور عبارتیں نقل کی ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے حکیم صاحب کی تحقیقات کے بہت سارے حوالے اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں صراحت کے ساتھ دیئے ہیں۔

نصیر الدین ہاشمی نے نظامی کے متعلق حکیم صاحب کی تحقیقات سے اتفاق کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حوالہ اپنی کتاب "دکن میں اردو" میں دیا ہے ـــ نظامی کے متعلق دوسرے تمام محققین کے نتائج کو باطل قرار دیکر نصیر الدین ہاشمی نے شمس اللہ قادری کے بیان کو مستند اور درست بتایا ہے۔

"اگرچہ تاریخ فرشتہ میں احمد شاہ ثالث کا لقب نظام شاہ بہمنی لکھا ہے مگر جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ مسکوک ہوا ہے"[1]

---

[1] دکن میں اردو صفحہ ۷۹

حکیم شمس اللہ قادری نے قطبی اور رازی کو ایک شخص قرار دیا ہے نصیر الدین ہاشمی نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مؤلف اردوئے قدیم قطبی اور رازی کو ایک ہی قرار دیتے ہیں کیوں کہ دونوں تخلص اس مثنوی میں موجود ہیں"[1]

"میں بھی قطبی اور رازی کو ایک ہی شخص تصور کرتا ہوں"[2]

اس کے علاوہ نصیر الدین ہاشمی نے "شاہ ملک" کے بارے میں حکیم صاحب کی تحقیق سے اتفاق کیا ہے اور ان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی نے ولی ویلوری کے نقل مقام سے بحث کرتے ہوئے دوسرے تمام محققین کے بیانات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور

---

[1] [2] دکن میں اردو۔ ۱۱۲ ص ۱۱۵

صرف شمس اللہ قادری کے بیان پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے اور مثال میں حسب ذیل شعر جو کہ شمس اللہ قادری نے پیش کیا تھا نقل کیا ہے۔

سو حسب الحکم میں سد ہوٹ کو آیا
رنگا رنگ وو ان تماشے میں نے پایا[1]

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے بھی حکیم صاحب کی تحقیقات سے اتفاق کیا ہے۔ گنج العلم کے رسائل کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ان کی نسبت مشہور ہے کہ دکھنی میں چند چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف کئے تھے ان میں سے تین کے مخطوطے کہتے ہیں کہ فورٹ سنٹ جارج کالج مدراس کے کتب خانہ میں محفوظ تھے۔ ان رسائل کی ضخامت صرف

---

[1] دکن میں اردو صفحہ ۳۶

چالیس ۴۰ صفحات بتائی جاتی ہے اور
وہ مذہبی موضوعات پر لکھے گئے ہیں"[1]

عین الدین گنج العلم کے رسائل شمس اللہ قادری ہی ایک واحد شخص تھے جنھوں نے عین الدین گنج العلم کے رسائل کا پتہ لگایا۔ سوائے آپ کے اور کسی کو اس کا پتہ نہیں تھا اور یہ رسائل صرف آپ کی نظر سے گذرے تھے۔

شاہ میراں جی شمس العشاق کے رسائل عین الدین گنج العلم کے علاوہ شمس اللہ قادری نے شاہ میراں جی شمس العشاق کے رسائل "جل ترنگ" اور "گل باس" کا پتہ لگایا۔ اس سے پہلے کسی کو ان رسائل کا علم نہیں تھا۔ دکنی زبان کے دوسرے تمام محققین اور ادیبوں نے شمس العشاق شاہ میراں جی کے ادبی کارناموں

---

[1] اردوئے قدیم پارے صـ ۱۹

کا ذکر کرتے ہوئے شمس اللہ قادری ہی کا مستند حوالہ دیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس اللہ قادری نے ان رسائل کو بچشم خود دیکھا تھا غالباً اس وقت تک دکن کے کسی اور محقق کی نظر سے یہ رسالے نہیں گذرے تھے۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

> "حضرت میراں جی نے نثر اردو میں کئی مقالے لکھے ہیں اور اُن میں تصوّف کے اسرار و نکات بیان کئے ہیں۔ منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں۔ ایک کا نام جل ترنگ اور دوسرے کا نام گل باس ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے بعض دقیق مسائل تمثیل کے

پیرائے میں بیان کئے ہیں۔[1]

بابائے اردو مولانا عبدالحق نے اپنے تحقیقی کام کے دوران معلومات حاصل کرنے کے لئے حکیم صاحب سے مدد مانگی تھی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں میراں جی شمس العشاق پر مضمون لکھنا چاہتا ہوں مجھے ان کا بہت سا کلام ملا تھا مگر اب جو میں نے دیکھا تو اس میں بہت سا شاہ برہان کا نکلا ایک خوش نغز کلام اور تحقیق الشہادت اور یہہ دونوں نظمیں بھی آپ اپنی کتاب میں ان کے دو نثر کے رسالوں کے نام لکھے ہیں۔ جل ترنگ گل باس میری نظر سے کبھی نہیں گذرے کیا یہہ مل سکتے ہیں مستعار ہی سہی اور آپ نے

---

[1] اردوئے قدیم صت۱۰۸

کہاں دیکھے"

(۲۳ر تیر ۱۳۵۴ف)

مختصر یہ ہے کہ دکنی زبان پر تحقیقی کام کرنے والے تمام ادیبوں اور محققوں نے شمس اللہ قادری کا لوہا مانا ہے اور ان کی اولیت تسلیم کی ہے۔ ان کے اقتباسات پیش کئے ہیں اور اپنی تصانیف میں ان کے حوالوں کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔ اردو زبان پر شمس اللہ قادری کا یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس زبان کے ابتدائی ادب کو تحقیق کی روشنی میں دنیا سے روشناس کرایا اور دکنی ادب پر تحقیقی کام کرنیکا ذوق عام کیا۔

اردوئے قدیم اور دکن میں اردو

دکن میں اردو کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا جب کہ اردوئے قدیم کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ لیکن اردوئے قدیم کے شائع ہونے سے

پہلے سنہ ۱۹۱۰ء میں "قدیم شعرائے اردو" کے عنوان سے ولی سے پہلے کے شعراء کے بارے میں حکیم شمس اللہ قادری کے مضامین قسط وار رسالہ "لسان العصر" لکھنو اپریل مئی اور جون کے رسائل میں شائع ہو چکے تھے اس وقت تک دکن کے قدیم شعراء کے بارے میں کسی محقق نے قلم نہیں اٹھایا تھا حکیم صاحب کے مضامین شائع ہونے کے بعد محققین نے اس طرف توجہ کی اور دکنی ادب پر تحقیق کا کام شروع کیا۔ حکیم شمس اللہ قادری نے اپنے ابتدائی مضامین میں جملہ دس ۱۰ شعراء کا تذکرہ کیا تھا۔ جس میں قطب شاہی اور عادل شاہی عہد کے شعراء شامل ہیں۔ سعدی نصرتی ہاشمی سیوا عادل شاہی عہد ملا نوری غواصی نصرتی اور قطب شاہی عہد اور عاجز وجدی اور ولی مغلیہ عہد میں شامل ہیں۔

شمس اللہ قادری نے اپنے پہلے ایڈیشن میں تیس ۳۰ شعراء کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے

برخلاف دکن میں اردو میں مختصر طور پر شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی غواصی کے متعلق لکھتے ہیں

"جہانگیر کے زمانے میں دہلی کی سیر
کیا تھا طوطی نامہ اس کی تصنیف ہے"

برس یک ہزار اور پنج تیس میں
کیا ختم یہ نظم دن تیس میں [1]

شمس اللہ قادری غواصی کے متعلق لکھتے ہیں۔
"ملا غواصی گولکنڈے کے باشندے اور
سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر
ہیں ملا نصرتی نے گلشن عشق میں انکا
تذکرہ کیا ہے۔

پڑی کچھ غواصی بنی کو خیال
کیا تازہ بلاغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرے میں تحریر کرتے ہیں۔
"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ

---

[1] دکن میں اردو پہلا ایڈیشن ص۳۱

دستہ ۱۰۱۴ سنہ ۱۰۳۷) بود طوطی نامہ بحسن نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے ہندی بطور بحت کہانی سرسری دیدہ بودم شعر آں نظم یاد نیست۔

ملا غواصی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں موجود ہیں:-

(۱) فسانہ سیف الملک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اس میں مصر کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اور غواصی کے ایک عرصہ بعد عالمگیر کے زمانے میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خاں کی فرمائش سے اس

داستان کو فارسی میں نظم کیا ہے۔
غواصی کی یہہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں
ختم ہوئی اور خاتمہ میں تاریخ کا اس
طرح ذکر آیا ہے۔

برس یک ہزار ہور پنج تیس میں
کیا ختم یو نظم دن تیس میں

(۲) طوطی نامہ۔ ضیاء الدین نخشبی کے
فارسی طوطی نامہ کا ترجمہ ہے اور ۱۰۴۹ھ
میں تمام ہوا ہے غواصی نے اس کے
اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

برس یکہزار اور چالیس پہ نو
ہوئے تھے یو موتیاں پور دیاں ہوں تو

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
شمس اللہ قادری نے کس قدر تحقیق و تجسس سے
کام لے کر مواد فراہم کیا تھا "لسان العصر" کے

مضامین کی اشاعت کی وجہ سے لوگ دکنی ادب کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور اس موضوع سے دلچسپی لینی شروع کی۔ گویا شمس اللہ نے محقق کے لئے تحقیق کا ایک نیا باب کھول دیا۔

شمس اللہ قادری کی محققانہ اہمیت خطوط کی روشنی میں

شمس اللہ قادری کو ہندوستان کے مختلف گوشوں سے ادیبوں نے جو خطوط لکھے ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ادبی مرتبہ ان کے ہمعصر مصنفین اور محققین میں کتنا بلند تھا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مضمون نگار بھی حکیم صاحب کے مضامین کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور اس زمانے کے جید عالم بھی ادبی اور تحقیقی مسائل میں حکیم صاحب سے رائے مشورے طلب کیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں چند خطوط دستیاب ہوئے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اس زمانے کے عالم اور مصنف ان کے تحقیقی کارناموں کے کتنے مداح تھے اور کس طرح ان کی قدر کیا کرتے تھے۔

اردو کے ایک نامور شاعر حضرت برج موہن دتاتریہ کیفی نے بھی شمس اللہ قادری سے خوشہ چینی کی تھی۔ محمد امین پر تحقیق کرتے ہوئے مستند حوالوں اور تحقیقی کتابوں کے لئے انہوں نے شمس اللہ قادری سے مدد لی تھی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"کیا آپ مہربانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ شیخ محمد امین کون تھے ان کی اصل کس قوم اور کس خاک سے ہے کیا یہ اورنگ زیب کے ساتھ دکن گئے تھے۔

یہ اور ان کے بزرگ کہاں کے اصل باشندے تھے اگر باہر سے گئے تو دکن میں کہاں رہتے تھے۔

یہی کوائف احمد دکنی کے متعلق معلو

ہیں۔ اس کا پورا نام بھی نہیں ملتا
کہا جاتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کے
دربار کا شاعر اور مثنوی لیلیٰ مجنون
کا مصنف ہے۔ آپ کی کتاب میں
اس کا تذکرہ مجھے نہیں ملا اگر ہے تو
اس کے صفحے کا حوالہ بھی دے دیجئے[1]

(۱۳؍ ڈسمبر ۱۹۲۸ء)

سید سلیمان ندوی کے ایک خط کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیمان صاحب حکیم صاحب کی علمیت کے کتنے قدردان تھے۔ سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں

"آپ کو معلوم ہوگا کہ عرب سیاحوں نے
اودھ کے مشہور قنوج کے علاوہ سندھ
کے ایک اور قنوج کا ذکر کیا ہے جو

---

[1] ذخیرۂ ڈاکٹر سید احمد اللہ قادری کے پاس محفوظ ہے۔

ہرگز اودھ کا قنوج نہیں ہو سکتا۔ جائے وقوع اور اوصاف میں الگ ہیں میں نے اپنی کتاب "عرب و ہند" میں یہی لکھا تھا اس پر ایک دو نقاد معترض ہیں کہ میں نے دھوکا کھایا ہے۔ مگر میں نے دوبارہ اپنے نظریہ پر غور کیا عبارتیں پڑھیں حوالے دیکھے تو مجھے اپنا نظریہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ مجھ سے متفق ہیں تو امید ہے کہ آپکی نظر آثار قدیمہ اور جدید تحقیقات سے متعلقہ قنوج سندھ پر پڑی ہوگی اگر آپ مجھے آثار قدیمہ اور تحقیقات جدیدہ کے مستند کتابوں کے نام اور مضمون سے مطلع فرمائیں تو یہ ہم پیشگی کی مدد ہوگی جس کا میں پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی ۸ جولائی ۱۹۳۱

۱؎ یہ خط بر حاشیہ سید حمد اللہ قادری کے پاس محفوظ ہے۔

شمس اللہ قادری
کے
دیگر ادبی کارنامے

شمس اللہ قادری کے شعور نے جس
مضمون نگاری ماحول اور جس زمانے میں نشو نما پائی
وہ اردو ادب کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔
اس وقت سلطنت آصفیہ عروج پر تھی اس دور میں زبان
اردو کو بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ اس دور کا آغاز اس
وقت سے ہوتا ہے جب کہ سرکار آصفیہ کے دفاتر کی
زبان مکمل طور پر فارسی کی بجائے اردو قرار دی گئی۔ اس
کے علاوہ اردو زبان کی ترقی کے لئے سرکارِ آصفیہ
نے بیرون ملک سے اردو کے باکمال شعراء اور مصنفین
کو اپنے ملک میں طلب کرلیا ان کو ماہانہ منصب جاری
فرمادی تاکہ یہہ ارباب کمال اردو کے خزانے کو مالا مال
کرتے جائیں۔

شمس اللہ قادری نے سلطنت آصفیہ کے دو
حکمرانوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ سلطان آصف جاہ ششم کے
زمانے ہی سے نثر نگاری شروع کی اور ان کے انتقال

کے بعد اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے عثمان حکومت
ہاتھ میں لینے کے بعد بھی یہ نثر نگاری میں مشغول رہے۔
شمس اللہ قادری نے ۱۹۰۰ء سے مضمون نگاری
اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تھا ان کے ابتدائی
مضامین احمد آباد کے ایک روزنامہ اخبار "جام جمشید"
میں چھپا کرتے تھے۔ اس کے بعد لاہور کے مخزن الہ آباد
کے "ادیب" کانپور کے "زمانہ" لکھنؤ کے "لسان العصر"
اور "الناظر" میں شائع ہوئے جو اس زمانے کے ممتاز
ترین رسالے تھے۔

شمس اللہ قادری نے مضمون نگاری میں ہر
موضوع پر قلم اٹھایا ہے آپ کے مضامین میں تاریخی، علمی،
سوانحی اور ادبی مضامین شامل ہیں۔

شمس اللہ قادری کو تاریخ سے غیر معمولی شغف تھا
اور تحقیق میں آپ بے مثال تھے آپ کے مضامین میں
آپ کے تحقیقی شعور کا عکس نمایاں ہے۔ قدیم سکہ جات

کی تحقیق کا آپ کو بہت زیادہ شوق تھا اور اس موضوع پر آپ نے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ اور ان مضامین میں آپ نے سکہ جات کے نقوش بھی پیش کئے ہیں۔ آپ جس موضوع پر قلم اٹھاتے تحقیق کر کے صحیح مواد فراہم کرتے تھے اور پھر نہایت مدلل انداز میں اس طرح مضمون لکھتے کہ تحقیق کا حق ادا ہو جاتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے مضامین قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اکثر رسالوں اور اخبار کے ایڈیٹر آپ کے مضامین اپنے رسائل اور اخبار میں چھاپنے کے متمنی رہتے تھے۔ عبدالسلام ندوی جیسے جید عالم اور محقق اپنے رسالے "الندوہ" کے لئے مضمون مانگتے ہوئے حکیم صاحب کی قابلیت کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں۔

"اگر رسالہ الندوہ جناب کی نگاہ سے
گذرتا ہے تو آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ صرف
یہی ایک ایسا رسالہ ہے جو اسلامی

تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے متعلق
صحیح ماخذوں سے سرمایہ مہیا کرنا
چاہتا ہے۔ اس بناء پر اُس کے
مضمون نگاروں کا طبقہ اُن ہی لوگوں
تک محدود ہے جو اسلامی علوم و فنون
سے واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ
ملک میں اس قسم کے لوگوں کا قحط
ہے اس لئے الندوہ کے شایان شان
مضامین نہایت دقت سے فراہم ہوتے
ہیں جناب نے ادیب الہ آباد میں جو
مضمون عربی خطابہ تحریر فرمایا ہے اُس
سے معلوم ہوا کہ آپ کو اسلامی
ماخذوں سے کسقدر واقفیت ہے۔ وہ
مضمون درحقیقت الندوہ کے قابل
تھا جو ایک اسلامی اور علمی رسالہ ہے۔

بہرحال آپ کی اہلیت اور علمیت کی
بناء پر مجھے توقع ہے کہ آپ اپنی توجہ
الندوہ کی طرف مبذول فرمائینگے اور
علمی و تاریخی مضامین سے الندوہ کو
گل بداماں کرتے رہیں گے۔ اگر رسالہ
آپ کی خدمت میں نہیں پہنچتا تو میں
آنریری طور پر آپ کے نام جاری
کردوں گا۔ جواب خط سے سرفراز
فرمائیگا۔[1]

حکیم صاحب کو تاریخ سے بہت زیادہ شغف
تھا اور اس موضوع پر آپ نے بہت زیادہ مضامین
لکھے ہیں حکیم صاحب کے ایک مضمون "کولا قوم
اور رود موسٰی" میں کولا قوم کی تہذیب و تمدن

---

[1] مولانا عبدالسلام ندوی سابق اڈیٹر الندوہ۔ دفتر الندوہ لکھنو ۲۵
ماہ جون سنہ ۱۹۱۰ء ٹسپی ٹمونیل شمس اللہ قادری ص ۱۲

ان کے رہن سہن کے طریقہ اور ان کی بود و باش سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ یہہ قوم رودِ موسیٰ کے کنارے ہی آباد تھی۔ رود موسیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

رود موسیٰ مملکت حیدرآباد کی مشہور تاریخی ندی ہے موسیٰ اس کا نہایت قدیم نام ہے۔ تلنگی اور کنڑی کے کلاسیکل لٹریچر میں اسی نام سے اس کا ذکر آیا ہے۔ مغلیہ دربار کے سرکاری وقائع نویس بھی اس کے لئے یہی نام استعمال کرتے تھے۔ برخلاف اس کے مشہور فرانسیسی سیاح موسیو ٹیورنیر نے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں حیدرآباد آیا تھا۔ فروا ندی کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے[۱]

لہ کولا قوم اور رود موسیٰ آندھرا نامہ صفحہ ۵

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمس اللہ قادری کے اکثر مضامین تحقیق پر مبنی ہیں۔ اپنے مضامین میں حکیم شمس اللہ قادری تحقیق کا کوئی گوشہ ادھورا نہیں چھوڑتے اور بڑے دلچسپ انداز میں معلومات پیش کرتے ہیں۔ کولا قوم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی سکونت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"جناب مسیح علیہ السلام کی ولادت سے
مدت دراز پہلے آغاز تاریخ کے ابتدائی
دور میں موسیٰ ندی کے کنارے جنوب
مغرب کی جانب ایک قوم آباد تھی
جس کو کولا قوم کہتے تھے اور وہ علاقہ
جہاں ان کی سکونت تھی کولا ریڈی
کہلاتا تھا اس کے معنی ہیں کولا قوم
کی سرزمین اس قوم کا امتیازی نشان
شیر تھا۔ کئی صدیوں کے بعد یہ قوم

ترک وطن کر کے جنوب کی جانب
چلی گئی اور کاویری ندی کے کنارے
اس نے بودو باش اختیار کی[1]

شمس اللہ قادری کے مضامین کی ایک
خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مطالعے کے بعد قاری کو
تحقیقی مسائل سے دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے اور قاری
شمس اللہ قادری کے علمی تبحر تاریخ دانی مدلل استدلال
اور وسیع معلومات سے مرعوب ہوجاتا ہے۔

تعداد مضامین

راقم الحروف کو شمس اللہ قادری کا
ایک "ٹسٹی مونیل" دستیاب ہوا ہے
جس سے شمس اللہ قادری کے مضامین کی تعداد معلوم
ہوسکتی ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے بعض مشہور
رسائل ادیب، زمانہ نقاد اور تاج کے مطالعے سے
شمس اللہ قادری کے مضامین کی تعداد کا تعین

---

[1] کولا قوم اور رود موسی آندھرا نامہ ص ۵۰

کیا جا سکتا ہے۔

حکیم صاحب کے مضامین کی جملہ تعداد (۱۰۸) ہے ان مضامین کو موضوعات کے لحاظ سے اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تاریخی	۶۲
۲۔ سوانحی	۲۰
۳۔ علمی	۱۲
۴۔ ادبی	۱۴
جملہ مضامین	۱۰۸

شمس اللہ قادری کے مضامین کا

تاریخی مضامین تقریباً تین چوتھائی حصہ تاریخی مضامین پر مشتمل ہے۔ ان کے تاریخی مضامین ہندوستان کے ممتاز رسائل میں شائع ہوتے تھے جن میں کے چند رسائل "رسالہ اردو" رسالہ "ادیب" "لسان العصر"

"زمانہ" "مخزن" "لسان الملک" "تاج" اور "الناظر" وغیرہ ہیں۔

تاریخی مضامین میں شمس اللہ قادری نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک کے شہنشاہوں کی حکومت اور اس زمانے کی تہذیب و تمدن پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ شمس اللہ قادری کو قدیم سکہ جات کی تلاش کا بہت زیادہ شوق تھا اسی لئے انہوں نے ہندوستان کے شہنشاہوں و راجاؤں کے قدیم سکہ جات کی تلاش کی اور ان پر اپنے مختلف مضامین میں اظہار خیال کیا ہے۔ شمس اللہ قادری اپنے مضامین میں قدیم سکوں کے نقوش بھی پیش کرتے تھے۔ ان کے قدیم سکہ جات پر لکھے ہوئے مضامین میں "سکہ جات سلاطین بیجاپور" "سکہ جات سلاطین گجرات" "سکہ جات سلاطین مغلیہ" "سکہ جات ٹیپو سلطان" اور "سکہ جات

شاہان اودھ" خاص اہمیت رکھتے ہیں۔
شمس اللہ قادری کے تاریخی مضامین کا مطالعہ کرنے سے ان کے وسیع معلومات اور علمی تبحر اور ان کے زورِ قلم اور اندازِ بیان کی جامعیت کی داد دینی پڑتی ہے۔
شمس اللہ قادری کے ایک تاریخی مضمون کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے ان کی تحقیق اور عالمانہ طرزِ بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
"ابراہیم قطب شاہ نے رائے راؤ نامی ایک برہمن کو اپنا وکیل مقرر کیا تھا۔ یہ سلطنت گولکنڈہ کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ شریف الملک، عزیز الملک، برلاس خاں، اور افضل خاں جو سپہ سالار تھے اس کے تحت بادشاہ نے رائے راؤ کے رکاب میں دس ہزار

پیادے اور ایک ہزار مشعلچی تعینات
کئے تھے۔ جب اس کی سواری نکلتی تھی
تو اس کے ہمراہ نوبت و نقارہ اور
ماہی مراتب رہا کرتا تھا۔ پوجا کے لئے
اس کو پاؤ سیر مشک و عنبر دو من
صندل اور کئی ہزار برگ پان روزانہ
بادشاہ کی طرف سے ملا کرتے تھے۔ اس نے
بالا حصار کے نیچے محلات شاہی کے
قریب مسجد کے پہلو میں ایک دیول
بنوائی تھی جو اس وقت بھی موجود ہے
اور سالانہ اس کی جاترا ہوا کرتی ہے۔
اس واقعہ سے گولکنڈہ کے قطب شاہی
بادشاہوں کی بے تعصبی اور مذہبی
رواداری کا پتہ چلتا ہے[1]

---

[1] آندھرا پردیش کا نامور تاریخی قلعہ گولکنڈہ۔ آندھرا نامہ صہ ۹۱

سوانحی مضامین شمس اللہ قادری نے تاریخی مضامین کے علاوہ سوانحی مضامین بھی لکھے تھے ان کے سوانحی مضامین کی تعداد (۲۰) تک پہنچتی ہے۔

شمس اللہ قادری نے ہندوستان کے بادشاہوں اور فاضلوں کے علاوہ بیرون ہندوستان علماء کے بھی حالات اپنے مضامین میں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کئے ہیں۔ ان کے سوانحی مضامین میں مندرجہ ذیل مضامین زیادہ اہم ہیں۔

"سلطان صلاح الدین" "مولانا آزاد بلگرامی" "قاضی شہاب الدینؒ" "علی متقی" "سحابی استر آبادی" "خواجو کرمانی" اور "علاؤ الدین جوینی" وغیرہ۔

شمس اللہ قادری نے سوانحی مضامین میں حالات زندگی لکھتے وقت مختلف کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے

ان غلط فہمیوں کو بھی دور کیا ہے جو پیدائش اور حالات زندگی وغیرہ کے متعلق دوسرے مصنفوں کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ شمس اللہ قادری چونکہ ایک بلند پایہ تاریخ دان تھے اس لئے بھی ان کے سوانحی مضامین کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ وہ سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر معاملے میں مستند تاریخی کتابوں کے حوالے سے مطلب کی باتیں ڈھونڈ نکالتے تھے۔ ان کے ایک سوانحی مضمون کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے ان کی تحقیق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

"صاحب مراۃ الخیال نے خواجو کو
شیخ سعدی کا ہمعصر قرار دیا ہے۔
لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ خود
شیخ سعدی نے ۶۹۰ھ میں انتقال
کیا ہے۔ اور اس کے تقریباً چا

سال بعد ۵۹۵ھ میں خواجو کی ولادت ہوئی ہے۔ ایرویمان نے لکھا ہے کہ خواجو کو شروان شاہ اور قزل ارسلان کے دربار سے بھی تعلق رہا ہے۔ خواجو کے بعض قصائد میں ان بادشاہوں کے نام آتے ہیں جسکی وجہ سے ایرویمان کو یہ دھوکا ہوا۔ حقیقت میں یہ امر خلاف واقعہ ہے کیونکہ شروان شاہ جو خاقانی کا ممدوح ہے ۵۹۰ھ میں فوت ہوا ہے[1]

علمی مضامین شمس اللہ قادری نے اپنے علمی مضامین کے ذریعہ سے اردو دان طبقے کو مختلف علوم سے روشناس کیا ہے چنانچہ میسور کے ایک اخبار نے شمس اللہ قادری کے

---

[1] خواجو کرمانی لسان الملک اکتوبر ۱۹۲۳ء ص ۶۳

علمی مضامین کے بارے میں لکھا تھا۔ آپ اپنے علمی مضامین کی وجہ سے روشناس عالم ہو چکے ہیں اور اخباری دنیا میں آپ کی سحر نگاری و معنی آفرینی نے ایک ممتاز درجہ حاصل کیا ہے۔"

شمس اللہ قادری کے علمی مضامین اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا ان کے مطالعہ میں کھو جاتا ہے اور اسے اُن علوم سے دلچسپی ہو جاتی ہے جس سے کہ اس نے کبھی دلچسپی محسوس نہیں کی تھی۔ شمس اللہ قادری نے اپنے ایک مضمون "سکہ جات ٹیپو سلطان" میں ٹیپو سلطان کے سکوں کو بغور دیکھنے کے بعد بتلایا ہے کہ ٹیپو سلطان نے ابجد کے مقابل ابتث کا قاعدہ ایجاد کیا تھا جو ابجد سے بالکل مختلف تھا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ابجد کا طریقہ عبرانی زبان سے ماخوذ ہے۔ عبرانی زبان کے حروف ہجا بائیس[۲۲] ہیں اور عربی میں

عبرانی سے چھ حروف زائد ہیں مثلاً ت - خ - ذ - ض - ظ - غ - حکیم صاحب نے اس کے متعلق جو تحقیقات کی ہیں اور ابتث کے جو حروف بتلائے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ا	ب	ت	ث	ج	ح	خ	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	
د	ذ	ر	ز	س	ش	ص	ض
۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰
ط	ظ	ع	غ	ف	ق	ک	ل
۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰
ی	ہ	و	ن	م			
۱۰۰۰	۹۰۰	۸۰۰	۷۰۰	۶۰۰			

شمس اللہ قادری نے تاریخی، ادبی مضامین سوانحی اور علمی مضامین کے

لہ ادبگہ جات ٹیپو سلطان مجلہ عثمانیہ جلد دوم شمارہ اول ۱۳۳۸ف ص ۱۱۶

علاوہ ادبی مضامین بھی لکھے ہیں اور ان کے ذریعے
سے اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے آپ کے
ادبی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوا کرتے
تھے۔ "ولی سے پہلے کے دکنی شعراء" کے عنوان
سے آپ کے مضامین رسالہ "لسان العصر" میں کئی
قسطوں میں شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین کا
سلسلہ ۱۹۱۰ء سے شروع ہوا تھا۔ ان کے علاوہ
شمس اللہ قادری کے دوسرے مضامین بھی برابر
مختلف معیاری رسالوں میں شائع ہوا کرتے تھے
جن میں سے قابل ذکر "طوطا کہانی" "دکھنیات"
اور "دیوان مخفی" ہیں۔

شمس اللہ قادری کا طرز تحریر

اسلوب بیان عام فہم، سادہ اور رواں ہے۔
ان کی تحریریں اسلوب کی الجھنوں اور مطالب کی
پیچیدگیوں سے بالکل پاک ہیں۔ شمس اللہ قادری

کی تحریر میں عربی فارسی کی مشکل ترکیبیں کہیں
نظر نہیں آتیں - ان کے طرز میں سادگی نمایاں
خصوصیت رکھتی ہے۔ لیکن ان کا اسلوب کبھی
بے کیف نہیں ہونے پاتا۔ شمس اللہ قادری کا
طرز تحریر اس دور کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ اردو
مضمون نگاری ترقی کے منازل طے کر کے بام عروج
پر پہنچ رہی تھی۔ شمس اللہ قادری اپنی تحریر میں
عربی و فارسی کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن
ان الفاظ سے کہیں بھی بے رنگی پیدا نہیں ہونے پاتی
ان کی نثر مقفی اور مسجع عبارت آرائی اور الفاظ
کی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔

شمس اللہ قادری کی نثر میں بیساختگی اور
بے تکلفی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ سادگی کے ساتھ
ساتھ حکیم صاحب کی نثر میں علمی شان بھی موجود ہوتی
ہے۔ وہ اپنی علمیت جتانے کے لئے عربی اور

فارسی کے نامانوس لفظوں سے اپنی نثر کو ناقابل فہم نہیں بنا دیتے۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے شمس اللہ قادری کے اسلوب بیان کی بیساختگی روانی اور سادگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"بادشاہ کی مجلس میں روزانہ ارباب فضل و کمال جمع ہوتے اور مسائل فقہ پر بحث و مباحثہ ہوا کرتے تھے۔ خود بادشاہ بھی شریعت و حکمت کے اسرار و غوامض بیان کرتا اور ثبوت کے لئے ائمہ فقہ کے اقوال اور منطق کے دلائل سے استدلال کیا کرتا تھا۔ اس میدان میں کامیابی عموماً بادشاہ کے ہاتھ رہا کرتی تھی۔ ارباب تاریخ جب کسی واقعہ کا اظہار کرتے تو بادشاہ اس کے

متعلق روایات کے تمام اختلافات
کا ذکر کرتا اور ارباب مجلس اس کے
افادات دانشمندانہ سے مستفیض ہوا
کرتے تھے۔"[1]

حکیم صاحب کی تحریروں میں رنگینی اور شگفتگی کا عنصر بہت کم پایا جاتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا تھا جن میں پرلطف انداز بیان، لفاظی اور انشا پردازی دکھانے کے مواقع بہت کم تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ حکیم صاحب سنجیدہ اور علمی انداز کی نثر لکھنے کے عادی تھے۔ وہ تاریخوں کے حوالے دیتے جاتے یا مستند علمی کتابوں کے اقتباسات پیش کرکے اپنے مطلب کی وضاحت میں مواد لیتے اور اپنے استدلال کو مضبوط بناتے تھے۔ اس لئے بھی حکیم صاحب کے

۱۔ تاریخ دکن کی علمی ترقیاں قطب شاہیہ عہد میں رسالہ تاریخ ص ۲

اسلوب بیان میں زبان کا چٹخارہ کم اور علمیت زیادہ ہے۔

اس زمانے میں جو ادبی رسالے نکلتے تھے ان کے مدیروں کی یہ آرزو ہوتی تھی کہ ان میں حکیم صاحب اپنے وقیع تحریریں شائع کروانا پسند کریں۔ شمس اللہ قادری کی تاریخ دانی اور علمیت کا سارے ہندوستان میں چرچا تھا اور ان کی تصانیف بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں "زمانہ" کانپور کے ایڈیٹر نے اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۱۱ء میں حکیم صاحب کو جو خط لکھا تھا اس کا اقتباس درج ذیل ہے جس سے ان کی شہرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہمعصروں کی نگاہوں میں ان کی کتنی قدر و منزلت تھی ایڈیٹر "زمانہ" لکھتے ہیں۔

"میری آرزو ہے کہ سال میں آپ کے کم از کم آٹھ دس خاص مضامین اہل

رسالہ میں شائع ہوں۔ میں نے آپکے
علمی و تاریخی مضامین جس قدر کہ
اب تک دیکھے ہیں میں بلا مبالغہ
عرض کرسکتا ہوں کہ وہ سب مجھے بیحد
پسند آئے۔ میری خواہش ہے کہ
آپ جسقدر جلد ممکن ہو رسالہ میں
اپنے عالمانہ مضامین کا سلسلہ شروع
فرمایئے۔ لسان العصر میں اردو شاعری
پر آپ کے مضامین بہت پسندیدہ تھے۔"
شمس اللہ قادری کے ہمعصر مضمون نگار ان
کے مضامین کے مداح تھے اور مشکل علمی و ادبی
مسائل میں آپ کی مدد اور علمی تعاون کے متمنی رہتے
تھے چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی حکیم صاحب
سے ایک علمی مسئلے کے متعلق مشورہ کرتے

---

۱۵ ٹسٹی میونسپل شمس اللہ قادری ص۱۵

ہوئے لکھتے ہیں۔

"گو مجھے تعارف کا شرف حاصل نہیں
ہے لیکن آپ کے محققانہ مضامین
واسطہ تعارف کیا کم ہیں۔ مجھے
ایک ضرورت آن پڑی ہے جس کا
معالج میں سوائے آپ کے کسی اور کو
نہیں پاتا۔ امید ہے کہ آپ توجہ
فرمائیں گے"[1]

اس طرح "لسان العصر" لکھنو کے مُدیر نے
شمس اللہ قادری کو اپنے مکتوب مورخہ مارچ ۱۹۱۰ء
میں خراج تحسین ادا کیا تھا۔

"گرامی نامہ معہ مضمون پہنچا۔ نہایت
مشکور ہوا۔ در اصل اس قسم کے

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دارالعلوم ندوہ لکھنو ۱۹ ماہ جولائی
سنہ ۱۹۱۰ء ڈپٹی مونیل شمس اللہ قادری ص۱۶

مضامین کی لسان العصر کو ضرورت ہے۔
میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ بہت سے
مضامین لوگوں نے بھیجے مگر میں نے
واپس کر دیئے لیکن آپ کے مضامین کو
میں فخریہ قبول کرتا ہوں۔[1]

مختصر یہ کہ حکیم شمس اللہ قادری کے تحقیقی کارنامے اردو ادب میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ محقق کی حیثیت سے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اور ان کا شمار اپنے وقت کے مستند عالموں میں ہوتا تھا۔ اردو کی ادبی تاریخوں میں "اردوئے قدیم" کو جو مقام حاصل ہے اس سے ادب کا ہر طالب علم واقف ہے۔

---

[1] ٹی مونیل شمس اللہ قادری ص ۱۴

کتابیات

۱۔ آندھرا نامہ
مدیر۔ سید احمد اللہ قادری۔ شریک مدیر۔ سید امداد اللہ قادری و سید سعد اللہ قادری
سنہ طباعت ۱۹۵۸ء
ناشر لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ
چیپل بازار حیدرآباد۔ اے۔ پی

۲۔ آثار الصنادید
سرسید احمد خاں
مطبع نول کشور لکھنو۔

۳۔ انڈکشن آف پدماشری سید احمد اللہ قادری
فضل اللہ ایم۔ اے۔ یل۔ ٹی
سنہ تالیف ۱۹۶۶ء

آئی۔پی۔یس۔پریس حجگر روڈ ترپ بازار
حیدرآباد اے۔پی

۴۔ اردو (رسالہ) آٹھویں جلد۔
مولانا عبدالحق صاحب
سنہ طباعت ۱۹۲۸ء
انجمن ترقی اردو پریس اورنگ آباد

۵۔ ایکٹی وٹیس آف دی لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ
سید احمد اللہ قادری
سنہ طباعت جنوری ۱۹۶۱ء
ناشر لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ
چیلی بازار حیدرآباد اے۔پی

۶۔ تاریخ (رسالہ)
مدیر۔ شمس اللہ قادری شریک مدیر سید احمد اللہ قادری
سنہ طباعت ۱۹۴۰ء
ناشر لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ
چیلی بازار حیدرآباد اے۔پی

۷۔ تبصرہ بر لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ

تالیف

آنریبل چیف جسٹس نواب جیون یار جنگ بہادر

بی۔ اے کنٹب) بیرسٹر ایٹ لا

آنریبل جسٹس نواب ناظر یار جنگ بہادر ایم اے

یل یل ڈی بیرسٹر ایٹ لا

نواب اصغر یار جنگ بہادر بی۔ اے (آکسن)

بیرسٹر ایٹ لا

سنہ تالیف ۱۹۴۰ء

ناشر۔ لطف الدولہ اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ

چیپل بازار حیدر آباد اے۔ پی۔

۸۔ ٹسٹی مونیل آف حکیم سید شمس اللہ قادری

تالیف۔ نواب عماد الملک بہادر

سنہ تالیف ۱۹۳۱ء

مطبوعہ گارڈین پریس مدراس

۹۔ دکن میں اردو (اضافہ آندھرا میں اردو بارششم)
تالیف۔ نصیرالدین ہاشمی
سنہ تالیف ۱۹۶۳ء
نظامی، پریس لکھنؤ
ناشر۔ نسیم بک ڈپو

۱۰۔ سلطنت (روز نامہ)
مدیران۔ سید امداد اللہ قادری سید سعداللہ قادری
۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۳ء ۲۸/ اکتوبر ۱۹۵۳ء ۲۷/ نومبر
۱۹۵۳ء ۸/ نومبر ۱۹۵۷ء
مطبوعہ صحیفہ مشین پریس حیدرآباد

۱۱۔ سفینہ (رسالہ) (جلد ۱ نمبر ۲ و ۳)
مجلس ادارت
۱۔ افضل العلماء محمد عبدالحق ام۔ اے پروفیسر
عربی، فارسی، اردو۔
محمد عبدالجبار متعلم بی۔ اے نائب صدر اردو سوسائٹی

غلام محمد متعلم بی۔ اے منیجر رسالہ
رشید محمود متعلم بی۔ اے
رحیم احمد فاروقی متعلم انٹرمیڈیٹ
اکتوبر ۱۹۲۸ء جنوری ۱۹۲۹ء
مطبوعہ۔ شاہی پریس ترملکھیڑی مدراس
مقام اشاعت گورنمنٹ محمدن کالج مونٹ روڈ مدراس

۱۲۔ مجلہ عثمانیہ (جلد دوم شمارہ اول)
ایڈیٹر۔ سید محمد اکبر و فاقانی
محمد جلال الدین اشک
سنہ ۱۳۳۸ف
مطبوعہ۔ عثمانیہ یونیورسٹی پریس

۱۳۔ نیشنل اینڈ لٹریری سروس آف امداد اللہ قادری
تالیف۔ فضل اللہ ام۔ اے۔ ایل ٹی
سنہ تالیف ۱۹۶۶ء
مطبوعہ۔ آئی۔ پی۔ یس پریس جگر روڈ ترپ بازار

SHAMS-UL-MUARREKEEN

HAKEEM SAYYID SHAMSULLA QADRI

Research Thesis for M. A. under supervision of
the Osmania University

By

Mir Ahmed Ali, M. A.

Foreword by

Hon'ble Shri Fakhruddin Ali Ahmed
Union Minister for Industrial Development
Internal Trade and Company Affairs

Published by
The Lutfuddaulah Oriental Research Institute
Hyderabad Andhra Pradesh

SHAMS-UL-MUARREKEEN

HAKEEM SAYYID SHAMSULLA QADRI

Research Thesis for M. A. under supervision of
the Osmania University

By

Mir Ahmed Ali, M. A.

Released by
Hon'ble **Shri Fakhruddin Ali Ahmed**
Union Minister for Industrial Development
Internal Trade and Company Affairs

January 6, 1970

Under the Chairmanship of
Hon'ble **Shri P. V. Narasimha Rao**
Education Minister, Andra Pardesh

Published by
The Lutfuddaulah Oriental Research Institute
Hyderabad Andhra Pradesh